جلد 3 شمارہ 12 فروری 2002ء ذوالقعدۃ 1422ھ

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ (الرعد)

آپ کہہ دیجیے کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کا۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے۔

ماہنامہ

آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

ماہنامہ
آدمیت فلاح
گوجرانوالہ
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 3 شمارہ 12 فروری 2002 ء ذیقعد 1422 ھ

ایڈیٹر وحید احمد

قیمت ——— -/15 روپے
سالانہ فنڈ ——— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-293379

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail: toheddia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
اداریہ	وحید احمد	3
درس قرآن	سید محمد عبداللہ شاہ	6
درس حدیث	میجر ڈاکٹر محمد اشفاق	11
الا اللہ کی ضرب	محمد صدیق ڈار توحیدی	15
خواجہؒ کے خطوط	خالد مسعود	18
مجالس فقیر	قبلہ محمد صدیق ڈار توحید	20
تعمیر انسانیت	مولانا ابو الحسن علی ندویؒ	22
جو عوام کو دھوکہ دے	شاہ بلیغ الدین	31
پیکی راڈرک	ڈاکٹر عبدالغنی فاروق	34
خودی عشق سے محکم ہوتی ہے	عبدالرشید ساہی	38
نماز میں اخلاص	میاں عبدالرشید	44
آخر ہمارا مسئلہ کیا ہے	کے ایم اعظم	46
اسلام کی نظر میں سائنس اور ٹیکنالوجی	مولانا شہاب الدین ندوی	48
فضائل حج	محمد یوسف اصلاحی	58

اداریہ

عالم اسلام کے پاس اب بھی دنیا کے لئے نیا پیغام اور زندگی کی نئی دعوت ہے' یہ وہی پیغام ہے جو حضور ﷺ نے چودہ سو برس پہلے اس کے حوالے کیا تھا۔ یہ ایک بڑا طاقتور واضح اور اور روشن پیغام ہے جس سے زیادہ منصفانہ بلند برتر اور مبارک پیغام اس پورے عرصے میں دنیا نے کسی کی زبان سے نہیں سنا۔

یہ وہی پیغام ہے جس کو سن کر مسلمان مدینہ طیبہ سے نکلے اور تمام دنیا میں پھیل گئے اور جس کو ایک مسلمان سفیر نے شاہ ایران کے اس سوال پہ کہ تم ہمارے ملک کیسے آئے' مختصر نظروں میں اس طرح بیان کیا تھا "اللہ نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ ہم لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اس وحدہ لاشریک کی بندگی میں دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت میں اور مذاہب کے ظلم اور ناانصافی سے اسلام کے عدل و انصاف میں داخل کریں۔ اس پیغام میں آج بھی ایک حرف کی کمی بیشی کی ضرورت نہیں آج کی اکیسویں صدی کی دنیا کے لئے بھی وہ ایسا ہی نیا اور تازہ ہے جیسا چھٹی صدی کی مسیحی دنیا کے لئے تھا۔

آج بھی لوگ تراشیدہ اور ناتراشیدہ بتوں کے سامنے سر بسجود ہیں' آج بھی اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی اجنبی و نامانوس ہو رہی ہے' آج غیر اللہ کی عبادت اور طاقت کا بازار گرم ہے' آج بھی خواہشات کا بت بر سر راہ پج رہا ہے آج عالم و درویش ملوک و سلاطین صاحب طاقت اور اہل دولت' جو سیاسی جماعتیں اور ان کے لیڈر "ارباب من دون اللہ" بنے ہوئے ہیں' جن کے لئے ویسے ہی قربانیاں پیش کی جا رہی ہیں جیسے معبودان باطل کے سامنے ہوتی تھیں۔

آج بھی عالم اسلامی کا پیغام خدائے واحد کی عبادت اور مکمل اطاعت' اللہ کے پیغمبروں کی رسالت بالخصوص آخری اور سب سے بڑے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور آخرت کے

عقیدہ پر ایمان لانے کی دعوت ہے' اس دعوت کو قبول کرنے کا انعام اور صلہ یہ ہو گا کہ یہ عالم تہہ در تہہ تاریکیوں سے نکل کر جن میں وہ صدیوں سے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے' روشنی کی طرف آجائیگا' اپنے جیسے انسانوں کی بندگی سے نجات پاکر خدائے واحد کی بندگی کی نعمت پائے گا' زندگی کے اس جیل خانہ سے نجات پاکر جس میں وہ صدیوں سے محبوس ہے' زندگی کے کھلے میدان اور دنیا کی آزاد فضا میں قدم رکھے گا' اعتقادی اور سیاسی مذاہب کی جکڑ بندیوں سے رہائی پاکر وہ دین فطرت اور شریعت الٰہی کے سایہ عدل میں جگہ پائے گا۔

اس پیغام کی ضرورت اور اہمیت جیسی اس زمانہ میں واضح ہوئی ہے اور جیسا آج اس کا سمجھنا آسان ہو گیا ہے' ویسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ آج جاہلیت سربازار رسوا ہو چکی ہے۔ اس کے ڈھکے چھپے عیب کھل گئے ہیں' لوگ زندگی سے عاجز ہیں اور اس وقت کے ناخداؤں سے مایوس ہیں۔ دنیا کی قیادت میں اصولی تبدیلی کا یہ خاص وقت ہے۔ اس وقت تک دنیا کی قیادت میں جو کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ اس سے زائد نہ تھیں کہ جب کشتی کا ملاح کشتی چلاتے چلاتے تھک جاتا ہے تو وہ کشتی کا چپوار ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں لے لیتا ہے' جب وہ ہاتھ بھی تھک جاتا ہے تو چپوار بدل لیتا ہے۔ برطانیہ سے امریکہ یا امریکہ سے روس کی طرف عالمگیر رہنمائی کی تبدیلی اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ملاح نے کشتی کا چپوار ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ یہ ناخدا کی تبدیلی یا اصول جہاز رانی کی تبدیلی یا سمت سفر کی تبدیلی نہیں ہے صرف دائیں بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

انسانیت کی مشکل کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ عالمگیر قیادت اور زندگی کی جہاز رانی ان مجرم اور انسانیت کے خون سے رنگین ہاتھوں سے نکل کر جنھوں نے انسانیت کے قافلہ کو غرق کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے' ان امانت دار' فرض شناس' خدا ترس' تجربہ کار ہاتھوں کی طرف منتقل ہو جو انسانیت کی جہاز رانی کے لئے روز ازل سے بنائے گئے ہیں' نتیجہ خیز اور کارآمد انقلاب صرف یہ ہے کہ دنیا کی رہنمائی اور انسانیت کی سربراہی جاہلیت کے کیمپ سے جس میں برطانیہ' روس امریکہ

ان کی حاشیہ بردار مشرقی قومیں ہیں اور جس کی قیادت اکابر مجرمین کے ہاتھوں سے منتقل ہو کر اس امت کے ہاتھ میں آجائے جس کی قیادت انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ میں ہے۔ اور جو اس دنیا کی تعمیر نو اور انسانیت کی نشات ثانیہ کے لئے محکم اور واضح اصول و تعلیمات رکھتی ہے اور جس کا ایمان دنیا کو اس وقت کی جاہلیت سے اسی طرح نکال سکتا ہے جس طرح اس نے چودہ سو برس پہلے نکالا تھا۔

لیکن اس عظیم کام کے لئے عالم اسلام کو خود تیاری اور اپنے میں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اس کے لئے پہلی تیاری یہ ہے کہ عالم اسلام، اسلام پہ نیا اور تازہ ایمان لائے عالم اسلام کو نئے پیغمبر یا نئی شریعت کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اسلام آفتاب کی طرح نہ کبھی پرانا تھا نہ اب پرانا ہے، حضور ﷺ کی نبوت دائمی اور آخری نبوت ہے۔ آپ ﷺ کا دین محفوظ اور آپ کی تعلیمات زندہ لیکن عالم اسلام کو بلا شبہ نئے ایمان کی ضرورت ہے۔ نئے فتنوں، نئی دعوتوں، نئی ترغیبوں کا مقابلہ کمزور ایمان اور روایتی رسوم و عادات سے نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی پرانی عمارت طوفان یا سیلاب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پھر داعی کے لئے ضروری ہے کہ اس کو اپنی دعوت پر غیر متزلزل یقین ہو اس میں ایک ایسے انسان کا جوش ہو جو کسی نئے عقیدہ پر نیا ایمان لایا ہے۔ عالم اسلام اگر دنیائے انسانیت میں نئی روح اور نئی زندگی پیدا کرنا چاہتا ہے اور دنیا کو موجودہ مادہ پرستی اور شک و اضطراب پر فتح حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے اندر نئی ایمانی روح، تازہ یقین اور نیا جوش و خروش پیدا کرنا ہوگا۔ اللہ مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنیکی توفیق عطا فرمائے آمین۔

والسلام

وحید احمد

درس قرآن

(سید محمد عبداللہ شاہ)

ومامن دابه فی الارض الا علی الله رزقها (سورۃ ہود آیت 6)

ترجمہ! "زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو"

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف انسان بلکہ ہر ذی روح کے رزق کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔ کوئی جاندار جہاں ہے جس حال میں ہے اس کا رزق اسے مل کر رہے گا۔ کوئی جاندار چیز ایسی نہیں جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ رزق نہ دیتا ہو پھر انسان کیوں پریشان مارا مارا پھرتا ہے۔ "رزق" ایک جامع لفظ ہے جس میں انسان کی خوراک رہائش، علم و ہنر اور وہ تمام نعمتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو عطا کرتا ہے رزق سے مراد صرف خوراک نہیں ہے۔ انسان کو رزق کی فکر اس وقت زیادہ لاحق ہوتی ہے جب یہ اپنے رازق و پروردگار کو بھول جاتا ہے قرآن مجید فرقان حمید میں کئی جگہ ارشاد ہوا ہے۔

ان الله یرزق من یشاء وبغیر حساب

"بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے"

اللہ تعالیٰ انسان کو اس جگہ سے رزق عنایت کرتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا کہ اسے رزق ملے گا۔ اس کیفیت کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے

ویرزقه من حیث لا یحتسب (الطلاق)

"اور اسے اللہ ایسے راستہ سے رزق دے گا جدھر کا اسکو گمان بھی نہ جاتا ہو"

اللہ تعالیٰ کس کو رزق دیتا ہے؟

اللہ تبارک و تعالیٰ ہر انسان اور جانور کو رزق دیتا ہے چاہے وہ کافر و مشرک ہو چاہے وہ نیک و پرہیز گار ہو۔ اللہ تعالیٰ رزق کے معاملہ میں کسی قسم کی تفریق نہیں رکھتا۔ چاہے کفار تسلیم کریں یا نہ کریں ان کا رازق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کافر و مومن دونوں کو رزق دیا جائے گا۔

وکاین من دابه لا تحمل رزقها الله یرزقها وایاکم

"کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اللہ ان کو بھی رزق دیتا ہے اور تمہارا

رازق بھی وہی ہے"

جب ایک جانور اور کیڑے کو خدا رزق دیتا ہے انسان تو پھر بھی اشرف المخلوقات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو پانی کی ایک بوند تک نہ دیتا اگر رزق کا انحصار ایمان پر ہوتا۔ حقیقتاً" ایسا نہیں ہے۔ رزق بلا تفریق ملتا ہے۔

رزق کی کمی بیشی کا انحصار

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق کی کمی بیشی کا انحصار اس کے فضل پر ہے جسے چاہے جتنا نواز دے یا جسے چاہے جتنا کم رزق دے۔ اس وقت تک انسان کو موت نہیں آتی جب تک وہ اپنے حصے کا رزق حاصل نہیں کر لیتا۔ سورۃ القصص' الروم آیت 36۔ العنکبوت آیت 62' بنی اسرائیل آیت 30 اور الرعد آیت 26 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اللہ اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا رزق دیتا ہے"

بہترین رزق! بہترین رزق' رزق حلال ہے۔ پاک صاف اور حلال رزق حاصل کرنے اور کھانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے رزق تو اس نے دینا ہے اس نے ذمہ لیا ہے پھر حکم دیا ہے کہ حلال رزق کھاؤ۔

وکلوا مما رزقکم اللہ حللا طیبا (المائدہ)

"جو کچھ حلال اور طیب رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اسے کھاؤ"

پھر فرمایا۔

ورزق ربک خیر وابقی "طہ"

"اور تیرے رب کا دیا ہوا رزق حلال ہی بہتر اور پائندہ تر ہے"

اللہ رزق دیتا ہے لیتا نہیں

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو رزق عطا کرتا ہے وہ بڑا بے نیاز ہے اسے کسی قسم کے رزق کی ضرورت نہیں اور کوئی اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے اور اس کے رزق میں مزید برکت دیتا ہے۔ وہ فرماتا ہے۔

ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون (الذاریات)

"میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں"

مزید فرمایا۔ لا نسئلک رزقا "طہٰ"
"ہم تم سے کوئی رزق نہیں چاہتے" بلکہ فرمایا
نحن نرزقک "ہم تمہیں رزق دیتے ہیں"

تنگ دستی کا خوف نہیں ہونا چاہیے

اس وقت انسان پر فکر معاش طاری ہے اور ہر وقت اسے تنگدسی کا خوف رہتا ہے جب رزق اللہ نے دینا ہے اس نے ذمہ داری لی ہے تو پھر خوف کس بات کا اگر ماں باپ ذمہ داری لے لیں تو اولاد خوش ہوتی اسے کسی قسم کی فکر نہیں ہوتی جب خدا ذمہ داری لے تو پھر خوف و خطرہ کس بات کا۔ ہم تنگدستی کے خوف سے اپنی اولادوں کو قتل کرتے ہیں خاندانی منصوبہ بندی جیسے مکروہ فعل کو اپناتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیه املاق - نحن نرزقھم وایاکم

"اور اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی" (بنی اسرائیل آیت 31)

اللہ بڑی طاقت والا ہے وہ کسی وقت بھی انسان کو مفلس سے غنی کر سکتا ہے۔

سورۃ توبہ آیت 28 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اگر تمہیں تنگ دستی کا خوف ہے تو بعید نہیں کہ اللہ چاہے تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے"

اسی طرح سورۃ یونس آیت 107 میں فرمایا

"اور اگر وہ تیرے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو پھیرنے والا کوئی نہیں"
"وہ اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے"

اللہ کے سوا کوئی دوسرا رزق نہیں دے سکتا

ہماری ضرورتوں، حاجتوں کو زیادہ بہتر اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ عالم الغیب ہے وہ علیم ہے خبیر ہے ہمیں خود ہماری ضرورتوں کا ادراک نہیں ہوتا وہ جانتا ہمیں وہ رزق عطا کرتا ہے جس کی ہمیں ضرورت ہو۔

امن ھذا الذی یرزقکم ان امسک رزقه (الملک آیت 21)

"کون ہے جو تمہیں رزق دے سکتا ہے اگر رحمان اپنا رزق روک لے"

جب ہمارا رازق ہمارا رزق روک لے یا تنگ کر لے تو پھر اس دنیا میں کوئی دوسری قوت ایسی موجود نہیں جو ہمارے لئے رزق کا بندوبست کر سکے رازق تو ہمارا اللہ ہے۔

ان اللہ ھوالرزاق ذوالقوۃ المتین (الذاریات آیت 58)

"بے شک اللہ خود ہی رزاق ہے بڑی قوت والا اور زبردست ہے"

رزق کی تلاش و حصول

یقیناً" اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اللہ رزق دیتا ہے وہاں سے دیتا ہے جہاں سے ہمارا گمان بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس نے اس بات کی گارنٹی دی ہے کہ وہ ہر جاندار کو اس کا رزق پہنچائے گا یہ رزق انسان تک کیسے پہنچے گا؟ اس کے لئے کچھ کوشش انسان کو اس کا کام بتایا ہے۔

وبتغاء کم من فضلہ (الروم آیت 23)

"اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے"

یعنی ہمارا کام رزق کی تلاش ہے اسی طرح حکم دیا۔

ولتبتغوا من فضلہ (الروم) "اور تم اس کا فضل تلاش کرو" اللہ کا فضل اس کا دیا ہوا رزق ہم نے تلاش کرنا ہے وہ کہاں ہو گا ہم اسے کیسے تلاش کریں اس کے لئے بتا دیا ہے کہ زمین و آسمان میں ہمارا رزق ہے فرمایا۔

وفی السماء رزقکم "اور آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے (الذاریات آیت 22)

سورۃ ق میں آیت 11,10,9 میں فرمایا

ونزلنا من السماء ماء مبرکا فانبتنا بہ جنت وحب الحصید ولنخل لبسقت لھا طلع نضید رزقا للعباد

اور آسمان سے ہم نے برکت والا پانی نازل کیا پھر اس سے باغ اور فصل کے غلے اور بلند و بالا کھجور کے درخت پیدا کیے جن پر پھلوں سے لدے ہوئے خوشے تہہ بہ تہہ لگتے ہیں یہ انتظام ہے بندوں کو رزق دینے کا۔

تلاش رزق کی بڑی فضیلت ہے جو انسان تلاش معاش میں پھر رہا ہو اس کا رتبہ جہاد فی سبیل والوں کے برابر قرار دیا ہے کچھ لوگ تلاوت قرآن پاک کرتے کچھ جہاد کرتے کچھ رزق حلال کی سعی

کرتے ہیں یہ سارے لوگ اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں۔
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
"جو شخص مسلمانوں کے کسی شہر میں غلہ لے کر آیا اور اس روز کے بھاؤ پر اسے بیچ دیا اسے اللہ کا قرب حاصل ہو گا۔
حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ فرمایا جہاد فی سبیل اللہ کے بعد اگر کسی حالت میں جان دینا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو وہ یہ حالت ہے کہ میں اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے کسی پہاڑی درہ سے گزر رہا ہوں اور وہاں مجھے موت آجائے۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔

واخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل الله

ترجمہ! کچھ دوسرے لوگ اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں" (المزمل آیت 20)
حدیث شریف میں ہے کہ چالیس دن کا حمل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو حاملہ کے پیٹ میں بچے کی جنس اس کی عمر اور اس کے رزق کا تعین کرتا ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک آدمی آیا اس نے کہا اپنے خدا سے کہو مجھے وہاں بھیج دے جہاں اس کا نہ آسمان ہو نہ زمین اور نہ اس کا رزق ہو اللہ نے فرمایا ایسی جگہ چلا جائے جہاں نہ آسمان ہو نہ زمین لیکن اسے بتا دو رزق کا معاملہ میں کسی اور پر نہیں چھوڑتا۔ رزق میں خود دوں گا۔
اللہ تعالیٰ نے رزق ہمیں دینا ہے وہ ماں کے پیٹ میں ہمارا رزق لکھ دیتا ہے یہ ہمارے اوپر منحصر ہے کہ ہم اللہ کا لکھا ہوا وہ رزق حلال اور جائز طریقوں سے حاصل کرتے ہیں یا کہ ناجائز طریقوں مثلاً" رشوت' سود' چوری ڈاکہ وغیرہ سے وہ رزق حاصل کرتے ہیں۔ رزق کو حلال کر کے کھانا ہمارا کام ہے۔ اپنی موت سے قبل ہمیں ہمارا سارا رزق مل جائے گا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں رزق حلال اور طیب کی توفیق عطا فرمائے ہمارے اوپر اپنا خصوصی فضل فرمائے۔ ہمارے دلوں کو غنی کر دے ہمارے رزق اور نظر میں وسعت پیدا کرے۔ آمین

درس حدیث

(میجر ڈاکٹر محمد اشفاق)

حضرت عبداللہ بن مبارک" خالد بن معدان علیہ الرحمتہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاذ بن جبل" سے عرض کیا کہ مجھے ایسی حدیث سنایئے جو آپ نے خود حضور علیہ السلام سے سنی ہو اور اسے یاد رکھا ہو اور اس کو آپ مشکل اور شدید ہونے کی وجہ سے روزانہ پڑھتے ہوں۔ حضرت معاذ نے فرمایا کہ اچھا اور یہ کہہ کر بڑی دیر تک روتے رہے اور فرمایا۔ وامشوقاۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اکرم ﷺ سے ملاقات کا شوق کس قدر بڑھ چکا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی اکرم ﷺ کے پاس تھا آپ ﷺ سواری پر سوار ہوئے اور مجھے اپنا ردیف بنالیا' جب ہم چلنے لگے تو حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو اپنی مخلوق کو جیسا چاہے حکم دیتا ہے پھر فرمایا۔ اے معاذ میں نے کہا لبیک یا سید المرسلین۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسی بات بتاتا ہوں کہ اگر تم اسے یاد رکھو گے تو تمہیں فائدے دے گی اور اگر اسے ضائع کردو گے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی حجت نہیں چلے گی۔

اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی تخلیق سے قبل سات فرشتے پیدا فرمائے' ہر آسمان کے لئے ایک فرشتہ اور آسمانوں کے ہر دروازے میں ایک فرشتہ کو دروازہ کی قامت کی مناسب سے دربان مقرر فرمادیا' کراما" کاتبین جب بندہ کے اعمال کو اوپر لیکر چڑھتے ہیں تو ان میں نور اور روشنی ہوتی ہے۔ سورج کی طرح جب پہلے آسمان پر پہنچتے ہیں تو فرشتہ کراما" کاتبین سے کہتا ہے کہ اس بندہ کا عمل اس کے منہ پر دے مار۔ میں غیبت کا فرشتہ ہوں اور مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ غیبت کرنے والے کے عمل کو اوپر نہ جانے دوں۔

کراما" کاتبین پھر بندہ کے پاس سے مزید نیک اعمال لیکر اوپر چڑھتے ہیں' جن کی روشنی اور نور سورج کے برابر ہوتا ہے اور وہ اسے بہت ہی پاکیزہ تصور کرتے ہیں۔ جب وہ دوسرے آسمان پر پہنچتے ہیں تو فرشتہ کہتا ہے کہ وہیں کھڑے رہو اور اس کے عمل کو اس کے منہ پر دے مارو مجھے میرے

رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے عمل کو اوپر نہ جانے دیا جائے تو جو مجھ سے سبقت کر گیا ہے۔ پھر فرشتے اس پر شام تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔ پھر کراما" کاتبین بندہ کے دوسرے اعمال مثلاً "صدقہ' روزہ اور دوسرے نیک اعمال لیکر اوپر چڑھتے ہیں' خوشی خوشی اور ان اعمال کو بہت پاکیزہ اور بڑا سمجھتے ہیں لیکن جب تیسرے آسمان پر پہنچتے ہیں تو دربان فرشتہ انہیں روک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کے عمل کو اس کے منہ پر دے مارو' میں تکبر کا فرشتہ ہوں' مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے اعمال کو اپنے سے آگے نہ جانے دوں کیونکہ ان اعمال سے اس کا مقصد لوگوں کی مجالس میں اپنی بڑائی کا اظہار تھا۔ کراما" کاتبین اس کے مزید نیک اعمال لیکر اور اوپر چڑھتے ہیں اور اس کے اعمال روشن ستاروں کی مانند چمک رہے ہوتے ہیں۔ اور ان اعمال میں اچھے اخلاق' تسبیح اور روزہ کے ساتھ نماز' حج وغیرہ جیسے اعمال بھی ہوتے ہیں' جب چوتھے آسمان پر پہنچتے ہیں تو دربان فرشتہ انہیں روک کر کہتا ہے کہ اس کے اعمال کو اس کے منہ پر مارو میں عجب کا فرشتہ ہوں۔ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کے عمل کو اپنے سے آگے نہ جانے دوں کیونکہ یہ بندہ جو بھی عمل کرتا تھا اس میں عجب کو شامل کر دیتا تھا۔

پھر کراما" کاتبین بندہ کے اعمال کو سسرال جاتی ہوئی دلہن کی طرح سجا سنوار کر اور اوپر چڑھتے ہیں' جب پانچویں آسمان پر اس کے حج اور جہاد جیسے آفتاب کی طرح منور و روشن اعمال لیکر پہنچتے ہیں تو فرشتہ انہیں روک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں حسد کا فرشتہ ہوں یہ لوگوں سے ان چیزوں پر حسد کیا کرتا تھا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی تھیں اور یہ اللہ کی پسندیدہ تقسیم پر راضی نہیں تھا۔ لہٰذا ان چیزوں پر میرے رب نے مجھے فرمایا ہے کہ اس کے عمل کو اپنے سے آگے نہ جانے دوں۔

پھر فرشتے اس کے وضو' کامل طہارت' نماز' روزہ' حج وغیرہ جیسے اعمال کو لیکر چھٹے آسمان پر پہنچتے ہیں تو اس پر مقرر دربان فرشتہ انہیں روک کر کہتا ہے کہ میں رحمت کا فرشتہ ہوں' اس کے عمل کو اس کے منہ پر مارو اس نے کبھی بھی کسی پر رحم نہیں کیا اور جب کسی بندہ پر کوئی مصیبت پڑتی تھی تو یہ خوش ہوتا تھا' مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے عمل کو اوپر نہ جانے دوں۔

اس کے بعد کراما" کاتبین اس کے مزید صدقہ' نماز' روزہ' جہاد' تقویٰ ورع جیسے پاکیزہ اعمال لیکر ساتویں آسمان پر چڑھتے ہیں ان اعمال میں سے رعد اور بجلی کی کڑک جیسی آواز آتی ہے۔ بجلی کی

چمک جیسی چمک ان میں ہوتی ہے۔ ساتویں آسمان پر دربان فرشتہ ان سے کہتا ہے کہ میں شہرت کا فرشتہ ہوں۔ اس شخص نے اپنے اعمال سے شہرت حاصل کرنے کا قصد کیا تھا اور شہرت کی مجالس' علما کے طبقہ میں بلند ہونے اور بڑے لوگوں میں عزت حاصل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مجھے میرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے اعمال کو اپنے سے آگے نہ جانے دوں۔ تو جو عمل خالص اللہ کے لئے نہ ہو وہ "ریاء" ہے اور اللہ تعالیٰ اہل ریا کے اعمال قبول نہیں فرماتے۔ پھر کراماً کاتبین اس کے نیک اعمال لیکر مثلاً" نماز' روزہ' زکوۃ' حج و عمرہ' حسن اخلاق اور سکونت اور ذکر اللہ وغیرہ اوپر چڑھتے ہیں اور ساتوں آسمانوں کے فرشتے اسے رخصت کرنے کے لئے ساتھ چلتے ہیں اور اوپر چڑھتے چڑھتے اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں پہنچ کر تمام پردے ہٹ جاتے ہیں' پھر وہ اللہ رب العالمین کے روبرو کھڑے ہو کر گواہی دیتے ہیں کہ اس بندہ کے نیک اعمال خالص آپ کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ تم تو بندوں کے اعمال پر نگران ہو جب کہ میں ان بندوں کے قلوب کی نگرانی کرتا ہوں' بے شک اس نے اپنے ان اعمال سے میری رضا کا ارادہ نہیں کیا اور نہ ہی خالصتاً" میرے لئے یہ اعمال کئے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کیونکہ مجھ سے کوئی چھپنے والا چھپ نہیں سکتا اور نہ ہی کوئی مجھ سے دور ہو سکتا ہے۔ خواہ کتنا ہی دور رہنے کی کوشش کیوں نہ کرے۔ مجھے جس طرح ان تمام باتوں کا علم ہے جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئیں اسی طرح جو کام اور باتیں ہو چکی ہیں انکا بھی مجھے علم ہے اور گزرے ہوئے تمام کاموں کے بارے میں بھی میں اسی طرح علم رکھتا ہوں جیسا آئندہ ہونے والے کاموں کے بارے میں جانتا ہوں اور اگلے لوگوں کو بھی میرا علم اتنا ہی محیط ہے جتنا پچھلے لوگوں کو محیط ہے۔ میں مخفی رازوں کو بھی جانتا ہوں اور نہایت پوشیدہ امور کو بھی۔ لہٰذا مجھے میرا بندہ کسی طرح اپنے عمل سے فریب نہیں دے سکتا وہ تو ناواقف مخلوق کو دھوکہ دیتا ہے جب کہ میں عالم الغیب ہوں میری اس پر لعنت ہے' ساتوں فرشتے اور ان کے ساتھ چلنے والے تین ہزار فرشتے بھی کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہم بھی آپ کی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ پھر آسمان والے کہتے ہیں کہ اس پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو"

یہ ساری تفصیل سن کر حضرت معاذ شدت سے رو پڑے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کی ذکر کردہ اس صورت حال سے خلاصی کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا اے معاذ شدت سے اپنے نبی کی اتباع ایقان کے ساتھ کرو۔ حضرت معاذؓ فرمانے لگے کہ آپ ﷺ تو اللہ کے

رسول ہیں جب کہ میں تو معاذ بن جبل ہوں۔ میری نجات اور خلاصی کسی طرح ممکن ہے؟ آپ نے فرمایا اے معاذ۔ اگر تیرے اعمال میں کچھ کوتاہی ہو تو اپنی زبان کو لوگوں کی برائیوں اور ان کی آبرو ریزی سے بچاؤ، بالخصوص اپنے بھائیوں اور حافظ قرآن مجید سے اور لوگوں کے اور اپنے بھائیوں کے معاملات میں پڑنے سے باز رہو اور تمہارا عیب دار نفس دوسروں کی آبرو ریزی کرنے سے رک جائے اور اپنے مسلمان بھائیوں کی برائی کر کے اپنے نفس کی تعریف مت کرو۔ اور اپنے بھائی کو نیچا دکھا کر اپنے نفس کو اونچا کرنے کی فکر مت کر اور اپنے اعمال میں ریاکاری مت کر تاکہ لوگوں میں تمہاری شہرت ہو جائے اور دنیا میں ایسے منہمک نہ ہو کہ آخرت کے امور سے بالکل غافل ہو جاؤ اور جب تیرے پاس کوئی دوسرا آدمی بیٹھا ہو تو اس سے چھپ کر کوئی بات کسی اور سے نہ کرنا اور لوگوں میں اپنی بڑائی کا اظہار مت کر کہیں دنیا و آخرت میں تیرے اعمال خیر ضائع نہ کر دیئے جائیں اور اپنی مجالس میں بے حیائی اور فحش باتوں سے گریز کرتے رہو کہیں لوگ تیری بد خلقی سے بھاگنے نہ لگیں اور لوگوں کی عزت کا پردہ اپنی زبان سے مت پھاڑو ورنہ دروزخ کے کتے تمہیں پھاڑ ڈالیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

والنا شطات نشطا اور قسم ہے کھینچنے والوں کی کہ جب وہ کھنچیں گے (گوشت کی ہڈیوں سے)

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان تمام صفات پر عمل کی کون طاقت رکھتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ میری بیان کردہ تمام باتوں پر عمل کرنا اس شخص کے لئے آسان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ سہولت پیدا کر دے اور جو چیز اپنے لئے برا سمجھتا ہے وہ لوگوں کے لئے بھی برا سمجھ (بس) اگر یہ کام کر لیا تو خلاصی اور نجات حاصل کرے گا خالد بن معدان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی اتنی تلاوت نہیں فرماتے تھے جتنی اس حدیث شریف کی تلاوت فرماتے تھے اور اپنی مجالس میں اس کا کثرت سے ذکر فرماتے تھے۔

الا اللہ کی ضرب

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

تصوف میں لا الہ الا اللہ کے ذکر کو نفی اثبات کا ذکر کہتے ہیں۔ اس ذکر کی غایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل اور سویا ہوا دل جاگ اٹھے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے عشق کی حرارت اور سوز و گداز پیدا ہو جائے۔ ذکر کا پورا فائدہ اسی حالت میں پہنچ سکتا ہے جب لا الہ کہنے پر دماغ بالکل خالی ہو جائے اور کسی طرح کا بھی کوئی خیال اور تصور باقی نہ رہے اور جب الا اللہ کی ضرب دل پر لگائی جائے تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خیال ہو۔ سلوک کی راہ میں جو فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی کیفیات آتی ہیں ان کو کوئی سالک اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کی نفی اور اثبات کامل نہ ہو جائیں۔ جتنی نفی کامل ہو گی اتنی ہی روحانی طاقت پیدا ہو گی اور جس قدر اثبات کامل ہو گا اتنا ہی سالک کو اللہ تعالیٰ کا قرب، حضوری اور معرفت حاصل ہو گی۔ نفی جب تک مطلوبہ معیار کے مطابق نہ ہو اثبات صحیح نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ لا الہ کہتے وقت یہ خیال کرنا بہت سود مند ہوتا ہے کہ کوئی بھی چیز کائنات میں موجود نہیں۔ یہ ہے کامل نفی اور اس کیفیت کو پختہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس حالت میں چار پانچ سیکنڈ ضرور ٹھہرا جائے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ اگر کسی سلیٹ پر پہلے ہی بہت سی تحریریں گڈمڈ کر کے لکھی ہوئی ہوں اس پر لفظ اللہ بھی لکھ دیا جائے تو وہ واضح طور پر دکھائی نہیں دے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سلیٹ کو پوری طرح صاف کیا جائے اور اس کے بعد اس پر اللہ کا پاک نام لکھا جائے۔ اسی طرح الا اللہ کی ضرب لگانے سے پہلے یہ امر بڑا اہم ہے کہ لوحِ خیال کو ہر نقش سے پاک کیا جائے تاکہ اللہ کا خیال پوری طرح واضح اور روشن ہو کر ابھرے۔

لا کے جھاڑو سے نہ راہ کی جب تک ہو صفائی
الا اللہ کی منزل تک نہ ہو گی کبھی رسائی

اس لئے تمام سالکینِ راہ خدا کو چاہیے کہ نفی اثبات کا ذکر بڑی باریک بینی سے حرف بحرف اور قدم بقدم مرشد کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کیا جائے۔ ذکر کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے

اپنے دماغ کو دنیاوی وساوس اور خیالات سے فارغ کر کے پوری توجہ اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مرکوز کی جائے۔ اس کے بعد ناف کے ایک انگشت نیچے سے لفظ "لا" شروع کرو۔ اس وقت گردن جھک جانی چاہیے۔ اب گردن اوپر اٹھاتے جاؤ اور لفظ "لا" کو آہستہ آہستہ کھینچتے ہوئے سینے سے اور پھر دماغ کے اندر سے گذارتے ہوئے ام الدماغ یعنی کھوپڑی کی اندرونی سطح پر جا کر ختم کرو۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے گردن تن جانی چاہیے اور سر کسی قدر اوپر اٹھ جائے گا۔ اب گردن کو داہنی طرف موڑو۔ یہاں تک کہ سر داہنے کندھے کی طرف خوب جھک جائے۔ اسی کے ساتھ لفظ "الہ" کہو اور خیال کرو کہ کوئی شے اور کوئی ہستی موجود نہیں ہے۔ یہاں تک کہ نہ اللہ کا خیال رہے نہ اپنے وجود کا۔ یعنی دماغ میں کوئی بھی خیال باقی نہ رہے بالکل خالی ہو جائے۔ یہ نفی کی کیفیت کہلاتی ہے اور یہاں وقفہ کرنا بہت ضروری ہے اس لئے یہاں چند سیکنڈ ٹھہرو۔ بہتر ہے کہ لمبا سا سانس اندر کھینچو۔ اس سے اگلا مرحلہ اثبات کا ہے۔ اب گردن اور سر کو بائیں طرف قلب کی جانب پوری طاقت اور جھٹکے سے جھکا کر دل پر "الا اللہ" کی ضرب لگاؤ اور فوراً یہ خیال کرو کہ صرف اللہ ہی اللہ موجود ہے اور اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ اب دماغ میں صرف اللہ کا خیال باقی رہنا چاہیے۔ یہ اثبات کی کیفیت ہے اور یہاں بھی چند سیکنڈ کا وقفہ لازمی ہے تاکہ اثبات میں ٹھہراؤ آ جائے۔ بہتر ہے یہاں بھی ایک سانس اندر لے لیا جائے اور اس کے بعد نفی اثبات کا اگلا دور اور ہر دور ناف کے نیچے ہی سے شروع کرنا بہت ضروری ہے۔ دل بائیں چھاتی سے تھوڑا سا نیچے واقع ہے اور اس کی صورت پان کے پتے کی سی ہے اور تھوڑا سا بائیں پہلو کی طرف جھکا ہوا ہے۔ پتے کی ڈنڈی والی جگہ کو دل کی پشت کہتے ہیں جو داہنے کندھے کی جانب سے آنے والی "الا اللہ" کی ضرب کے عین سامنے ہے اور ضرب اسی جگہ لگانی چاہیے۔ ضرب لگانے کے فوراً بعد یا تو یہ خیال کیا جائے کہ ضرب لگانے سے لفظ "اللہ" سنہری روشنائی سے قلب پر لکھا گیا ہے اور اس سے سنہری روشنی پھوٹ رہی ہے۔ یا یہ خیال کیا جائے کہ ضرب لگانے سے دل سے نور کا زوردار چشمہ پھوٹا ہے جس کا نور پوری کائنات میں پھیل گیا ہے۔ یا پھر ضرب لگانے پر یہ خیال ہی کافی ہے کہ صرف اللہ ہی موجود ہے اور سب طرف اور پوری کائنات میں صرف اللہ ہی اللہ ہے۔ ان میں سے جس طریقہ پر بھی خیال جم

جائے وہی ٹھیک ہے۔

ذکر نفی اثبات میں کلمہ طیبہ کا پہلا حصہ پڑھا جاتا ہے جس میں لا الہ الا اللہ کے چار حروف ہیں اور نفی اثبات میں چار ہی مقامات آتے ہیں۔ ناف' ام الدماغ' داہنا کندھا اور دل۔ پہلے دو حروف نفی کے ہیں جن کے معنی ہیں کہ کوئی الہ نہیں اور آخری دو الفاظ اثبات کے ہیں جن کے معنی ہیں لیکن اللہ اس لئے پہلے دو الفاظ کے بعد نفی کا سٹاپ ہے اور وہاں ضرور ٹھہرنا ہوگا۔ ذکر کی ابتدا ہر مرتبہ ناف کے ایک ان گنت نیچے سے جو کہ مقام نفس سے ہوگی۔ یہاں سے لا کا سفر شروع ہو کر دوسرے مقام ام الدماغ پر ختم ہوگا لیکن یہاں وقفہ یا سٹاپ ہرگز نہیں بلکہ ایک موڑ ہے۔ اس موڑ سے نفی کے سفر کی سمت داہنے کندھے کی طرف الہ کہتے ہوئے طے ہوگی۔ یہاں بالکل اندھیرا ہے اور یہاں پر وقفہ بھی ضروری ہے۔ وقفے کے بعد اگلا سفر اثبات کا ہے اور یہ بہت تیز رفتاری سے طے کرنا ہوتا ہے اور اس کی منزل قلب ہے۔

وقفے کے بعد پوری قوت اور جھٹکے کے ساتھ "الا اللہ" کی ضرب قلب کی پشت پر لگائی جائے گی۔ ضرب تو الا اللہ کی لگائی جائے گی لیکن خیال صرف اللہ کا کیا جائے گا۔ یہ نفی اثبات کے سفر کی حقیقی منزل ہے اس لئے یہاں پر تھوڑا سا وقفہ کرنا بہت ضروری ہے۔ صحیح ذکر کے لئے بھائیوں کو چاہیے کہ کلمہ طیبہ کے چار الفاظ کو ان کے اپنے اپنے مقام تک ضرور پہنچائیں۔ جہاں "لا" کا سیدھا عمودی سفر ہے اسے اسی طرح طے کر کے نفس سے ام الدماغ تک ضروری پہنچائیں۔ پھر دائیں طرف مڑیں اور الہ کہتے ہوئے داہنے کندھے پر پہنچ کر نفی کا سفر مکمل کریں اور یہاں وقفہ کریں پھر الا اللہ کی ضرب سے اگلا سفر تیز رفتاری اور قوت سے طے کریں کہ دل پر جو ضرب لگے اس سے اللہ کے نور کا چشمہ پھوٹ پڑے اور وہ دل بینا بن جائے۔

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں

خواجہؒ کے خطوط

(تدوین و ترتیب۔ خالد مسعود توحیدی)

1۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گی

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1960-5-18)

"بیٹی سے کہیں کہ اس طرح ہر راستہ چلتے آدمی پر یقین نہیں کرنا چاہیے ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گی۔ بات یہ ہے کہ گاؤں دیہات میں تقریباً" ہر ایک بیاہ شادی پر کچھ نہ کچھ جھگڑا چھوٹا موٹا تو ہوتا ہی ہے۔ اس لئے یہ لوگ یہ باتیں کہہ دیتے ہیں اور بھولے بھالے ان کو ولی اللہ سمجھ لیتے ہیں"

2۔ فقیروں سے ملاقات

(بنام محمد صدیق ڈار 1960-5-18)

"بیٹی سے کہہ دینا کہ نہ کسی نے تعویذ کئے ہیں نہ جادو۔ نہ تو ابھی مرتی ہے فکر نہ کر۔ دوسرے ہمارے حلقہ کے قوائد کے مطابق بیٹی (یا کسی کو) کسی فقیر یا پیر سے ملنے کی اجازت ہی نہیں ہے"

3۔ جب اللہ کو منظور ہو گا

(بنام محمد قاسم صاحب 1960-9-19)

"بلقیس اور ہاجرہ کے لئے دعا تو کی ہے صحت اس وقت ہو گی جب اللہ کو منظور ہو گا۔ میں غافل نہیں تمہارے خط سے اور یاد تازہ ہو جاتی ہے"

4۔ دل کا خالی ہونا

(بنام محمد صدیق ڈار 1962-5-26)

"دل کا خالی ہونا کبھی کبھی قدرتی ہوتا ہے۔ یہ بات سینکڑوں مرتبہ سمجھا چکا ہوں۔ اس سے آئندہ ترقی ہوتی ہے۔ ایسا نہ ہو تو آئندہ ترقی نہ ہو۔ بہر حال میں نے مال (فیض) بھیج دیا ہے۔ امید

ہے مل گیا ہو گا گھبرایا نہ کرو۔ گاہکوں کا تنگ کرنا تو بہت اچھا ہے سودا دیتے رہیں"

5۔ ساتھ غنیمت سمجھو

(بنام جمیل اختر صاحب 72-6-12)

"ان کا ساتھ (محمد صدیق ڈار صاحب کا) غنیمت سمجھو اور فیض بھی لو اور جو سمجھ میں نہ آتا ہو سیکھ بھی لو"

6۔ اللہ میاں کا دفتر

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1962-2-14)

"اللہ میاں کے دفتر میں امریکہ میں کورس کا ابھی کچھ پتہ نہیں۔ یاد دلاتے رہو تو فائل کھلوا دونگا"

7۔ اللہ میاں کا کرشمہ

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 12/1/1962)

"آپ کی ترقی کی خوشخبری سن کر بہت مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے اور مزید ترقی عطا فرمائے۔ شاید تم کو یاد نہیں رہا میں نے ایک دن تم سے کہا تھا کہ اب تو تم کو سارجنٹ بننا چاہیے اور تم نے کہا تھا کہ میں تو ابھی بہت جونیر ہوں۔ آپ نے اللہ میاں کا کرشمہ دیکھا؟"

8۔ اطلاع دے دینا

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1962-7-20)

"اللہ کرے آپ خیریت سے امریکہ جائیں اور کامیاب واپس آئیں اور اللہ کرے آپ کے ساتھ عالمگیر صاحب بھی اسی طرح جائیں اور کامیاب واپس آئیں۔ جاتے وقت مجھے لکھ دینا اور وہاں پہنچ کر بھی اطلاع دے دینا۔ بچوں کو واقعی گھر چھوڑ آؤ۔ بیٹی تو آپ کے وہاں جانے کے خلاف تھی اب راضی ہو گئی ہے یا نہیں۔ کتنے دن وہاں رہنا ہو گا۔ سعودی عربیہ کا پھر دیکھا جائے گا۔ پہلے U-S-A ہو آئیں اور زیادہ QUALIFIED ہو جائیں گے"

جرثومے زندہ ہو گئے

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

جب قبلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری" بنوں سے ترک سکونت کر کے لاہور تشریف لائے تو آپ سے ملاقات کے لئے آنے والے لوگوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ فقیر کے در پر ہر قسم کے لوگ آتے ہیں ان میں کچھ اللہ تعالیٰ کی محبت کے طالب ہوتے ہیں اور اکثر دنیوی اغراض و مقاصد کے لئے دعا کرانے والے ہوتے ہیں۔ ایک دن قبلہ حضرت" نے فرمایا۔

"یہاں پی اے ایف میں ہمارے کافی پیر بھائی ہیں۔ سبھی لوگ جانتے ہیں کہ انصاری صاحب ان کے پیر ہیں۔ اس لئے ان کے کئی احباب ملاقات اور دعا کے لئے آتے رہتے ہیں۔ ایک دن ایک صاحب اپنی اہلیہ کے ساتھ تشریف لائے اور کہنے لگے کہ ہمارے اولاد نہیں ہے آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا فرمائیں۔ میں نے دعا کی اور وہ کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے۔ چند ہفتوں بعد دونوں میاں بیوی دوبارہ تشریف لائے تو بری پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے منہ کیوں لٹکے ہوئے ہیں خیر تو ہے۔ وہ صاحب کہنے لگے کہ قبلہ پہلے تو اللہ کی رحمت سے کچھ امید تھی اب وہ بھی ختم ہو گئی ہے۔ ہم نے اسی سلسلہ میں اپنے ڈاکٹروں سے بھی رابطہ کیا تھا۔ انہوں نے ہمیں چیک اپ اور ٹیسٹ کے لئے سپیشلسٹ کے پاس بھجوا دیا۔ اب ہم دونوں کی رپورٹ آ گئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ میری بیوی تو بالکل ٹھیک ہے لیکن میرے مادہ منویہ کے جرثومے نہایت ہی کمزور اور مردہ ہیں اور اولاد پیدا کرنے کی اہلیت سے مرحوم ہیں۔ میں نے انہیں تسلی دی کہ ڈاکٹروں سالوں کو کیا پتہ ہے۔ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ جو اللہ تمام دنیا کے انسانوں کو مرنے کے بعد زندہ کر دیگا اس کے لئے چند جراثیم کو زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔ میں نے اسی وقت پانی منگوا کر اس پر توجہ کی اور دم کر کے اس صاحب کو پلا دیا اور وہ چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم کر دیا اور ان کے ہاں بچی پیدا ہوئی۔ ایک دن اتفاق سے ان کی ملاقات اس سپیشلسٹ ڈاکٹر سے ہو گئی تو انہوں نے اسے بتایا

کہ آپ نے تو اپنی رپورٹ میں لکھ دیا تھا کہ تم اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہو لیکن دیکھ لیں اللہ نے اپنے فضل سے ہمیں بیٹی عطا فرمادی ہے ڈاکٹر نے اس کے کان میں کہا کہ تمہارے ساتھ دھوکہ ہوا ہے یہ بیٹی تمہاری نہیں ہے کیونکہ پاکستان میں فی الحال اس بیماری کا علاج دستیاب نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ بیٹی میری ہی ہے اور میں نے دوا سے علاج نہیں کرایا بلکہ کسی اللہ والے سے روحانی علاج کرایا ہے۔ اس ڈاکٹر نے مجھے دوبارہ اپنے کلینک میں بلوا کر ٹیسٹ کیا اور رپورٹ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے کہا کہ اب تو تمہارے جرثومے ایک صحتمند نوجوان سے بھی زیادہ طاقتور ہیں۔

وہ ڈاکٹر بڑا حیران ہوا اور ان سے میرا ایڈریس لے کر ملنے کے لئے بھی آیا۔ وہ روحانیت سیکھنے کا خواہاں تھا۔ باتوں باتوں میں مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ مرزائی ہے۔ میں نے اسے کہا کہ اپنے خلیفہ سے جا کر یہ طاقت حاصل کر۔ میں نے سوچا کہ یہی چیز تو تمہارے پاس نہیں ہے اگر یہ بھی مل جائے تو تم دنیا میں فساد بپا کر دو"

مندرجہ بالا واقعہ میں جن صاحب کا ذکر ہوا ہے وہ راقم السطور کو کورنگی کریک ایئر فورس ٹریننگ سکول میں جنوری 1977ء میں ملے۔ وہ ٹیلی فون ایکسچینج میں کام کرتے تھے ان کا نام محمد سعید تھا۔ ان دنوں قبلہ حضرتؒ سخت علیل اور ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ وہ ٹیلی فون کے ذریعے آپ کی صحت کے بارے میں لاہور سے معلومات حاصل کر کے مجھے بتاتے رہتے۔ ایکدن میں انہیں ملنے گیا اور پوچھا کہ کیا آپ ہمارے پیر بھائی ہیں تو انہوں نے اوپر بیان کیا گیا سارا واقعہ دہرایا اور بڑی حسرت سے یہ بات بھی بتائی کہ میری بیوی کو تو قبلہ حضرتؒ نے بیعت فرما لیا لیکن میری درخواست رد کر دی اور جھڑکی دے کر مجھے دور بٹھا دیا۔ اللہ جانے مجھ میں کون سی ایسی خامی ہے کہ مجھے یہ سعادت نہیں مل سکی۔

(مولانا ابوالحسن علی ندویؒ)

ہمت شکن تجربے

اس وقت دنیا کی تقسیمیں بڑی بے رحم ہیں' پہلے قوموں اور سلطنتوں نے ملکوں کو بانٹا تھا مگر اب سیاسی تحریکوں نے قوموں کو بانٹ دیا ہے' مذہب کی آڑ میں ایسے فتنے نہیں تھے' جتنے آج کی مہذب دنیا اور جمہوری دور میں نظر آرہے ہیں' آج کے سیاسی پلیٹ فارم لوگوں کو جدا کرنے کے لئے یا اپنے گروپ بڑھانے کے لئے مخصوص ہیں' لیکن اب بھی بے غرضی سے پکارا جاتا ہے تو لوگ اب بھی ---- جواب دینے کو تیار ہیں' ابھی اس کا امکان ہے کہ سیاسی پلیٹ فارم کے علاوہ بھی لوگ جمع ہو جائیں ہم نے خالص انسانی مسئلوں پر غور کرنے کی دعوت دی' ہمارا دل بہت خوش ہے کہ آپ نے دعوت قبول کی' آپ کا سیاسی تحریکوں سے گھبرانا تعجب نہیں' انسان اپنے تجربوں ہی سے نتیجہ نکالتا ہے' آدمی بار بار جن چیزوں کو ہوتے دیکھتا ہے اس سے قاعدہ بنالیتا ہے۔ آج اغراض کے لئے جمع کرنے کی عادت ہے' آپ ہم پر بھروسہ کریں۔ ہم کسی پارٹی کے ماؤتھ پیس (MOUTH PIECE) یا لاؤڈ سپیکر نہیں ہیں' ہمارے سامنے خالص انسانیت کا مسئلہ ہے۔

سب ٹھیک ہو رہا ہے لیکن میرے اہتمام سے ہونا چاہئے

دوستو! اس وقت کا انسان اصل بگاڑ سے آنکھیں بند کر کے کہتا ہے کہ سب ٹھیک ہو رہا ہے' لیکن میرے اہتمام سے ہونا چاہئے۔ جو کچھ ہو میری نگرانی اور چودھراہٹ میں ہو۔ بداخلاقی و بے مروتی' چور بازاری' دولت سمیٹنے کی ہوس سب ٹھیک ہے' لیکن اس کی تولیت ---- (TRUSTEESHIP) ہمارے سپرد ہو تو خوب ہے' آج سب کے دل کی خواہش یہی ہے اور جب بھی کسی کے ہاتھ میں انتظام آیا ہے تو اس نے لوٹ پھیر کر وہی نظام قائم رکھا اور تھوڑی سی ترمیم

کے بعد بات وہیں رہی جہاں تھی۔ بگاڑ کے سمجھنے میں مختلف پارٹیوں میں کچھ زیادہ بنیادی اختلاف نہیں، کوئی نہیں کہتا کہ وہ سب کچھ جو ہو رہا ہے نہیں ہونا چاہئے بلکہ سب کا کہنا یہ ہے کہ جو ہو رہا ہے ہمارے ماتحت اور ہماری سرپرستی میں ہونا چاہئے۔ گویا اس پر اعتراض نہیں کہ کارخانہ غلط ہے بلکہ اس پر غصہ ہے کہ ہمارا سایہ اس کے سر پر نہیں۔

یورپ اور ایشیاء میں آج یہی جذبہ کام کر رہا ہے

دنیا کی بڑی جنگیں اسی بنیاد پر لڑی گئیں، فرانس، انگلستان، جرمنی، روس اور امریکہ وغیرہ سب اسی جذبہ کو لیکر اٹھے۔ انہوں نے لفظوں کو آڑ بنا کر یہ مطالبہ کیا کہ نو آبادیات (COLONIES) کا انتظام دوسروں کے سپرد کیوں ہے اور دوسری ہی قوم ہمیشہ کیوں حاوی رہے۔ انسانیت کے درد سے بے قرار ہو کر ان میں سے کوئی نہیں اٹھا تھا، ان میں سے کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کا مذہب جاری کرنے اور دنیا کے ساتھ انصاف کرنے، فسق و فجور، فحاشی اور عیاشی اور ظلم اور زیادتی مٹانے نہیں اٹھا تھا، نہ انگریز، نہ جرمن، نہ روس، نہ امریکہ، انہیں اچھے برے، ظلم و انصاف، حق و باطل سے کچھ بحث نہ تھی، حاشا وکلا انہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ہم دنیا کو صحیح نظام زندگی دیں گے اور انسانیت کی خدمت کریں گے، ان کی پیش نظر یہ تھا کہ ہم لوگ سونے چاندی کی گنگا بہائیں گے اور ملکوں کے ذخیروں اور دولتوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔ وہ دنیا پر اپنی اجارہ داری (MONOPOLY) قائم کرنا چاہتے تھے، یہ سب ایک نظام زندگی پر ایمان لائے تھے کہ تمام دنیا کو پامال کر کے انسانوں کی لاشوں پر عیش و عشرت کی محفل رچائیں گے اور آدمیت کے ملبہ پر اپنی شان و شوکت کا محل تیار کریں گے۔ سب ترسے ہوئے ندیدے، دولت کے بھوکے خواہشات کے غلام، شرابخوار، قمار باز، خدا کو بھولے ہوئے، فطرت صحیح کے خلاف بغاوت کرنے والے تھے، دل رحم سے خالی، انسانیت کے درد سے عاری، انہیں کے نقش قدم پر آج قوم اور ملک، ذاتیں اور برادریاں، سیاسی پارٹیاں،

قومی ادارے اور قوم پرست حکومتیں چل رہی ہیں۔ سب کا جذبہ یہ ہے کہ ہم اور ہمارے رفیق اور ساتھی اور عزیز و احباب موج کریں۔ وہ موجودہ حالت کو (ACCEPT) کر لیتے ہیں۔ ان کو صورت حال سے کوئی اختلاف نہیں، صرف ان لوگوں سے اختلاف ہے جن کے ہاتھ میں باگ دوڑ ہے۔ وہ دنیا بدلنا نہیں چاہتے صرف اس کی امامت و قیادت (LEADER SHIP) بدلنا چاہتے ہیں، ان کی کوشش صرف یہ ہے کہ دوسروں کی جگہ پر ہم آ جائیں۔ آپ کے یہاں مقامی انتخابات ہوتے ہیں۔ ڈسٹرکٹ بورڈ، میونسپلٹی، ٹاؤن ایریا وغیرہ کے نئے نئے انتخابات میں نئے نئے لوگ آتے ہیں، لیکن کیا کوئی نئی ذہنیت، نیا اصول زندگی، نیا جذبہ خدمت اور نیا جذبہ اصلاح لے کر آتا ہے، کیا کوئی نیا بورڈ، نئی کمیٹی بداخلاقیوں کی روک تھام کرتی ہے، انسانوں کی بے لاگ خدمت کرتی ہے، ہم تو یہ جانتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی ذہن، ایک ہی اصول زندگی اور ایک ہی جذبہ لیکر آتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، زندگی کی خرابیاں اور سوسائٹی کے جھول جوں کے توں رہتے ہیں۔

پیغمبروں کا مطالبہ، زندگی کا نقشہ غلط ہے

اس کے برخلاف پیغمبر کہتے ہیں کہ سرے سے زندگی کا نقشہ غلط ہے، اسے ادھیڑ کر پھر سے بناؤ، اس میں پھر سے رنگ بھرو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ایک شیروانی سلی سلائی لے لی، وہ اس کے جسم پر چست نہیں ہوتی، وہ اس کو ادھر ادھر سے کترتا ہے، کھینچتا ہے، پیغمبر کہتے ہیں کہ یہ بخیے غلط لگ گئے ہیں۔ جب تک یہ بخیے رہیں گے اس میں جھول ہی جھول رہیں گے، اسے ادھیڑ کر پھر سے بناؤ۔

قوموں کو رشوت دی جا رہی ہے

آج ساری دنیا نے انسان کو اپنی خواہشات میں آزاد مان لیا ہے، ان غلط خواہشات کے خلاف

جذبہ پیدا کرنے کے بجائے آج ساری پارٹیاں اسے رشوت دے رہی ہیں' خواہشات کی رشوت' اخلاقی رشوت اور ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر کہہ رہی ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں نظام حکومت آگیا تو ہم تمہاری خواہشات کو پورا کریں گے اور تم کو عیش و ترقی کا پورا پورا موقع دیں گے۔ اگر اپنی خواہشات کی تکمیل اور آزادی چاہتے ہو تو ہمیں ووٹ دو۔ آج ہر ایک یہ کہہ رہا ہے کہ ہم اقتدار پا کر تمہارے تعیشات میں اضافہ کریں گے' تمہارا معیار زندگی اونچا کریں گے' گویا انہوں نے مٹھائیاں دے کر بچوں کی عادتیں بگاڑ دیں' انہوں نے ان کو مٹھائیوں پر لگا دیا۔ دنیا کے انسان بچے ہیں' پارٹیاں اور حکومتیں انہیں خواہشات کی ہوا دے رہی ہیں اور ان کی عادتیں بگاڑتی جا رہی ہیں' انسان کا یہ حال ہے کہ جتنا اسے دیئے جاؤ وہ اور مانگتا جاتا ہے' فلم آتے ہیں تو اس کی ہوس اور بڑھتی ہے یہ اور زیادہ ہیجان (EXCITEMENT) چاہتا ہے اور زیادہ عریاں تصویریں مانگتا ہے' یہ دنیا کے منتظم انسانی خواہشات پر لگام نہیں لگاتے' بلکہ ان کی ہوس کے مطابق دیتے جاتے ہیں۔

پیغمبروں کا یہ راستہ نہیں' وہ خواہشات میں توازن و اعتدال پیدا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر شخص کی خواہش کو پورا کرنے کی کوشش غیر فطری ہے' پیغمبر کہتے ہیں کہ انسانوں کا چٹورپن خطرناک ہے' اس کو چھڑانا چاہئے۔ چاہے بچے کا دل برا ہو' چاہے وہ کچھ دیر روئے اور مچلے اس کو برداشت کرنا چاہئے اور صحیح راستہ پر لگانا چاہئے۔ یہ غلط فلسفہ ہے کہ خواہشات کو بریک نہ لگایا جائے اور ان کو شہ دی جاتی رہے اور جب ان کا فساد ظاہر ہو جائے تو پھر حیرت سے دیکھا جائے اور شکایت کی جائے۔

منہ زور اور بے لگام گھوڑوں کی ریس

سیاسی پارٹیوں کا نظام غلط ہے کہ اس زندگی کے نظام کو قبول کر لیا جائے' منہ زور گھوڑا' بے لگام اور غلط رو گھوڑا انسانیت کی کھیتی کو روندتا چلا جا رہا ہے' آج تمام پارٹیاں اس کا سائیس بننا

چاہتی ہیں' منہ زور بے لگام گھوڑوں کی ریس ہے 'کیا ان کے سامنے انسانی ضمیر کی کوئی قیمت ہے؟ انسانی ہمدردی کا کوئی جذبہ ہے؟ یورپ اور امریکہ ہمدردی اور مساوات کا نام لیتے ہیں۔ ان کی ہمدردی کے پیمانے ہم سب کو معلوم ہیں' بے چارے باہر سے ہمدردی کرنا چاہتے ہیں اور اندر وہی ہوس کا بھوت ہے' ظلم کے وہاں بڑے عجیب و غریب طریقے ہیں۔

حکومت اور عہدہ کا کون اہل ہے؟

دوستو! ہم کہتے ہیں کہ زندگی کا راستہ منزل سے بہت دور جا پڑا۔ جب تک خدا کا یقین (BELIEF) نہ پیدا کیا جائے سدھار نہیں ہو سکتا۔ اس کے بغیر ہم ظالم کو محتاط اور ہمدرد نہیں بنا سکتے ہیں' میں الل ٹپ آپ کے سامنے نہیں آگیا' اس مطالعہ کے بعد کہہ رہا ہوں کہ جب تک آپ یقین نہ پیدا کریں انسانیت کے اصلی ماڈل (MODEL) تک نہیں پہنچ سکتے' اس کے اندر سے عزت و عہدہ کی محبت' دولت کی محبت نکال دیجئے اور ایثار و قربانی اور دوسروں کے لئے گھلنے کا جذبہ پیدا کیجئے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا کہ عہدہ اسے ملے گا جو اس کا خواہشمند نہ ہو' وہاں یہ QUALIFICATION تھی' آج اس کے برخلاف بے حیائی سے خود اپنی قصیدہ خوانی کر کے حکومتیں بنائی جاتی ہیں' صحابہ کرام اس سے بھاگتے تھے۔ حضرت عمرؓ معافی چاہتے ہیں کہ اس ذمہ داری کے بوجھ سے مجھے معاف رکھا جائے۔ انہیں مجبور کیا جاتا تھا کہ آپ دست بردار ہو گئے تو کون انتظام کرے گا؟ وہ جب تک کرتے تھے اسے بڑی ذمہ داری اور بوجھ سمجھتے تھے اور جب سبکدوش ہوتے تو بڑا سکون (RELIEF) محسوس کرتے تھے' حضرت خالدؓ کو سپہ سالار اعظم (IN CHEAF COMMONDER) بنایا گیا تھا۔ سب طرف ان کی دھاک بیٹھی تھی' عین محاذ پر ایک معمولی سا پرچہ مدینہ سے آتا ہے کہ خالد برطرف کئے جاتے ہیں اور ان کی جگہ ابو عبیدہ مقرر کئے جاتے ہیں' تو ذرا بھی ملال نہیں ہوتا' بڑی فراخ دلی سے کہتے ہیں کہ اگر میں اس کام کو عبادت و فرض سمجھ کر کرتا

تھا' تو اب بھی انجام دوں گا۔۔۔۔۔۔ اور اگر عمرؓ کے لئے کرتا تھا تو کنارہ کش ہو جاؤں گا' پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ اسی ذوق و شوق سے اپنے کام پر مشغول رہے اور کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

جاہ طلب سیاسی

آج سیاسی پارٹی سے کسی کو الگ کر دیا جاتا ہے تو پہلے تو نکلنے کا نام نہیں لیتا اڑا رہتا ہے' فتنہ مچاتا ہے اور اگر الگ ہوتا ہے تو دوسری سیاسی پارٹی بنا لیتا ہے' یہ کیوں' اس لئے کہ عزت کی ہوس' دولت کا شوق اور بڑائی کا خیال دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے' پس جب تک موجودہ زندگی کا سانچہ نہیں بدلتا سدھار مشکل ہے۔ میں آپ کو صاف صاف زندگی کی حقیقتیں بتلا رہا ہوں خدا کا خوف اور اس کی رضا کا شوق پیدا کیجئے' روحانی اور اخلاقی زندگی پیدا کیجئے۔ زندگی سے لطف اندوز ہونے (Enjoy) کرنے کا شوق جو زندگی کا آئیڈیل (IDEAL) بن گیا ہے' اسے چھوڑیئے۔

انسانی ضروریات کی فہرست بہت طویل نہیں

انسانی ضروریات کی فہرست بہت لمبی نہیں' فضولیات (LUXURIES) کی فہرست بہت لمبی ہے' سب نے اپنی بنیاد LUXURIES پر رکھی ہے' زندگی کے تعیش کو مقصود بنالو' معدہ اور نفس کو معبود مان لو' خدا کو نہ مانو' اس کی بالادستی کا انکار کر' انسانوں کو ایک ترقی یافتہ جانور تسلیم کرو اور اس کی زیادہ سے زیادہ خواہشات کو پورا کرو' یہ سب اسی کا فساد ہے' جب تک یہ بنیاد باقی ہے ہزار کوششوں کے باوجود سدھار ناممکن ہے' کسی شہر اور ملک کی تو کیا ایک میونسپلٹی کے رقبہ کی بھی اصلاح نہیں ہوگی۔

خراب اجزا اور اکائیوں سے اچھا مجموعہ تیار نہیں ہو سکتا

آج انسانی افراد اور سوسائٹی کے اجزا خراب اور ناقص ہیں' غلط بنیادوں پر ان کا اٹھان ہوا ہے اور غلط طریقہ پر ان کی تربیت اور نشوونما ہوئی ہے' نتیجہ یہ ہے کہ آج سارے انسانی مجموعے

خراب و ناقص اور کمزور ہیں' جماعتیں افراد سے بنتی ہیں۔ جب تک افراد درست اور صالح نہیں ہوں گے جماعتیں اور جماعتی کام کیسے درست ہو سکتے ہیں' افراد کا سوال چھیڑا جائے تو لوگ چڑتے ہیں اور ناراض ہوتے ہیں اور اس مسئلہ کو ٹال دینا چاہتے ہیں اور اس خیال خام میں مبتلا ہیں کہ اجتماعی حالت میں یہ نقص خود بخود دور ہو جائے گا' عجب لطیفہ ہے کہ جب اینٹیں بھٹہ سے نکلیں تو کہنے والے نے کہا کہ یہ پیلی ہے' یہ کھنجڑ ہے' یہ اینٹیں اچھی نہیں' یہ عمارت کا بوجھ نہیں اٹھا سکیں گی۔ آپ نے جواب دیا محل بن جانے دو وہ سب اینٹیں اچھی ہو جائیں گی' لیکن خراب اور ناقص اجزاء سے ایک اچھا مجموعہ کیسے تیار ہو سکتا ہے؟ بہت سے خراب ممبروں سے ایک اچھی باڈی (Body) کیسے بن سکتی ہے' خراب تختوں سے ایک اچھا جہاز کیسے بن سکتا ہے' ہم کہتے ہیں' یونٹ (UNITS) خراب ہیں' مسالہ (MATERIAL) خراب ہے' اس سے اچھی گورنمنٹ کیسے بنے گی؟ آج ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے' (Material) تو کوئی نہیں دیکھتا اور نتیجہ کو دیکھ کر کوفت ہے۔ کیا یہ ناسمجھی کی بات نہیں' پیغمبر تختے بناتے ہیں' یونٹ (Units) بناتے ہیں' ان کی تعمیر پائیدار' صالح اور جاندار ہوتی ہے' وہاں دھوکا نہیں ہوتا۔ آج تعلیم گاہوں میں بھی اس حقیقت کو نظرانداز کیا جا رہا ہے' یقین اور اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کہیں نہیں کی جا رہی ہے' افراد کی تربیت کا انتظام کہیں نہیں' ہر جگہ غیر تربیت یافتہ افراد کے کھیپ کے کھیپ نکل رہے ہیں' آج طالب علم ہر کام کر سکتا ہے' اس لئے کہ اس کی کوئی تربیت نہیں کی گئی' میونسپلٹی میں کون لوگ ہیں؟ ڈسٹرکٹ بورڈ میں کون لوگ ہیں؟ حکومت میں کون لوگ ہیں؟ سارے نظام پر اس طرح کے لوگ حاوی ہیں۔ انہیں کے ہاتھ میں زندگی کی باگیں ہیں۔ آج اکثر انسان انسان نہیں' انسان نما ہیں۔

حقیقت ظاہر ہو کر رہتی ہے

حقیقت ظاہر ہو کر رہتی ہے چاہے اس پر کتنا ملمع چڑھاؤ' گدھے نے شیر کی کھال پہن لی تھی'

لیکن جب خطرہ سامنے آیا تو ہیبت سے اپنی بولی بول دی' آج سب جگہ یہی ہو رہا ہے۔ اندر کی چیز باہر آ رہی ہے' آپ میں سے بہت سے بھائی انتھک کوشش کر رہے ہیں' آپ میں سے بہت سے مخلص (SINCERE) ہیں' لیکن کیا کبھی آپ نے نیچے سے سدھار کی کوشش کی' لوگ پارٹی کے اقتدار کے پیچھے پڑے ہیں' لیکن کرنے کا کام یہ تھا کہ آدمیت کا احترام پیدا ہو' خدا کا خوف پیدا ہو۔

خدا کی بستی دکان نہیں ہے

خدا کی بستی کو دکان سمجھ لیا گیا' ہر ایک دوسرے سے گاہک سمجھ کر معاملہ کرتا ہے' یہ تاجرانہ ذہنیت تباہ کن ہے' آج سب طرف لینا ہی لینا عام ہے' کہیں استاد شاگردوں کی کشمکش' کہیں مزدوروں اور کارخانہ داروں میں چپقلش یہ سب کیوں؟ یہ سب اسی تاجرانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے۔ پیغمبر کہتے ہیں کہ سب کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں اور سب کے ذمہ فرائض ہیں' فرائض ادا کرنے میں مستعد ہوں اور حقوق حاصل کرنے میں فراخ دل' ہم یہی کہتے ہیں کہ آپ لوگ بھی یہی کرنے لگیں تو فضا بدلے گی' زندگی کا لطف آئے گا' آج لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے' ہر ایک کی نگاہ تجوری پر ہے' انسان کی مجبوری پر نہیں۔

ہمارا پیغام

ہم اپنے پیغام کو ہر پارٹی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں اور ہمارا وجود ہر پارٹی سے زیادہ ضروری ہے' کیوں کہ ہمارا کام ہو گیا تو انسانیت کا مہکتا ہوا گلدستہ بنے گا' آج کانٹے پیدا ہو رہے ہیں' آج انسان عنقا ہے' ہم کہنے آئے ہیں کہ انسانیت کی بہار لاؤ' انسانیت کو نکھارو' آج انسانیت کے درخت سے کانٹے اور کڑوے پھل پیدا ہو رہے ہیں' آپ انسانیت کے میٹھے پھل پیدا کیجئے' ہم آپ کے کاموں میں روڑا اٹکانے نہیں آئے' ہم یہ کہنے آئے ہیں کہ انسانیت کی خبر لیجئے' ہم اس بگڑی ہوئی دنیا کے خلاف خلش پیدا کرنے کے لئے آئے ہیں کاش یہ چبھن پیدا ہو' یہ پیغمبروں کا کام اور ان

کا پیغام ہے، ہم اسے یاد دلانے آئے ہیں، کوئی دماغ تک رہ جاتا ہے، کوئی پیٹ تک پہنچ جاتا ہے، کوئی کپڑوں اور مکان میں اٹک کر رہ جاتا ہے لیکن مذہب خدا کے یقین اور محبت کے ساتھ دل میں اتر جاتا ہے، وہ آنکھوں کی کھٹک اور جلن دور کرتا ہے، آنکھوں کی سوئیاں نکالنا پیغمبروں ہی کا کام ہے، انہیں کی محنتوں سے دل کی پھانسیں نکلیں اور قلوب کو اطمینان ملا۔

ہم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم نے پیغمبروں کے کام اور پیغام کی بڑی ناقدری کی، تم مجرم ہو، تم اصل سرمایہ کو چھوڑ کر ذلیل سرمایہ داروں کے ایجنٹ بن گئے، تم نے بھی تاجرانہ ذہنیت اپنالی اور بیوپاری بن گئے، تمہاری حیثیت بیوپاری اور ملازم کی نہیں تھی، تم یہاں داعی کی حیثیت سے آئے تھے، تم نے داعیانہ حیثیت اور اپنے آنے کا مقصد کھو دیا، تم دعوت و محبت کے پیام کے ساتھ جیتے تو عزت سے جیتے اور کامیاب و بامراد جیتے رہے، اب تمہاری فلاح اسی میں ہے کہ تم اپنی کھوئی ہوئی حیثیت اختیار کرو۔ دنیا کی فلاح اس میں ہے کہ وہ پیغمبروں کے پیغام کی قدر کرے، سیاسی پارٹیاں اور مختلف جماعتیں قیادت کی جنگ اور غلبہ و اقتدار کی کشمکش چھوڑ کر زندگی کے اس بگڑے ہوئے نقشہ کو بنانے کی کوشش کریں اور اپنے اپنے متعلقین اور دوستوں کے بجائے ساری انسانیت کی فکر کریں کہ اس کے سدھار کے بغیر کسی کو چین اور امن حاصل نہیں ہو سکتا۔

(شاہ بلیغ الدین)

اللہ کے رسول کے ایک ارشاد کا مطلب ہے کہ ایسے عالم سے دور رہو جو سرکار دربار میں رسائی کا متمنی رہتا ہو۔ اس حکمران کی قدر کرو جو اللہ کے نیک بندوں کی تلاش میں رہتا ہے۔

منصور نے اپنے چہرے کو تولیئے میں چھپا لیا اور دیر تک روتا رہا۔ بھرے دربار میں حکمران وقت کی اس کیفیت کا بڑا اثر ہوا۔ سبھی اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے رہے۔

ابو جعفر منصور بنو عباس کا دوسرا حکمران تھا سفاح کے بعد حکومت اس کے ہاتھ میں آئی۔ یہ وہی تھا جس نے بغداد کو بسایا اور اسے بہت بڑا علمی اور تجارتی مرکز بنا دیا۔ بنو عباس کی حکومت کو اسی نے مضبوط کیا۔ خود سری اور نازک دماغی میں بھی وہ کسی سے کم نہ تھا۔

منصور جس وقت تولیئے میں سر چھپائے رو رہا تھا اس کے سامنے ایک بزرگ تھے۔۔ سانولا رنگ، خشخشی داڑھی، بالوں میں مہندی کا خضاب، اوسط قد، روشن چہرہ باتوں میں علمی وقار، جو کہتے اور جس طرح کہتے اسے سامنے والا مسحور ہو کر سنتا۔ تاریخ الخلفاء میں ہے، یہ اللہ کے بندے آٹھ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ ماں نے پال پوس کر بڑا کیا لیکن اس نے ایسی ذہانت دی تھی کہ ایک دنیا ان کے آگے جھکتی تھی۔ دنیا میں کمانے کے بہت سے مواقع آئے لیکن دولت علم سے مالا مال تھے تو پھر دولت دنیا کی انہیں پرواہ نہ رہی۔ ہاتھ بہت کھلا ہوا تھا۔ میرے تو صرف چھ دینار ترکے میں رہ گئے تھے اپنوں اور غیروں سب نے کہا۔۔۔۔ ان جیسا زاہد و عابد بہت کم دیکھنے میں آتا ہے خود کہتے تھے ۔۔۔۔۔۔ ہم بھی کبھی ہنسی مذاق کیا کرتے تھے مگر جب سے لوگوں نے ہمیں اپنا دینی رہنما سمجھا ہم نے مسکرانا بھی چھوڑ دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا ہمیں دیکھ کر ہنسی مذاق کو اپنا معمول بنا لے۔ ابن جوزی کہتے ہیں ۔۔۔۔۔ ان کے مرنے کے بعد ایک بار میں نے انہیں خواب میں دیکھا۔ پوچھا۔۔۔۔ کونسا

عمل ایسا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی قربت نصیب ہوتی ہے؟ جواب ملا ------ علم اس سے بڑا یہاں کوئی اور درجہ نہیں۔ ابن جوزی نے پوچھا ---- اس کے بعد فرمایا اس کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جو اپنی غلطیوں پر اللہ سے ڈرتے اور روتے رہتے ہیں۔ ندامت کے آنسو ان کا مقام بلند کرتے ہیں۔

دوسری صدی ہجری کے یہ بزرگ منصور کے دربار میں پہنچے تو ایں وآں سے بے نیاز خودداری اور علمی دیانت سے ہر سوال کا جواب دیتے رہے۔ ایک موقع ایسا آیا کہ ان کی گفتگو میں احساس دیانت کا خیال پیدا ہو گیا۔ نیاز مند حکمران سے فرمایا ---- مجھے بہت افسوس ہے کہ تم عیش و آرام کی طرف مائل نظر آتے ہو۔ یاد رکھو۔ کہ اگر تم نے عدل و انصاف کا دامن چھوڑا اور عوام کو انصاف نہ ملا تم کہیں کے نہ رہو گے۔ تم اس وقت کیا کرو گے جب میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کے آگے تمہارے عوام اٹھ کھڑے ہوں گے اور تمہارے ظلم و ستم کی داستان سنائیں گے۔ ہمیں سیدنا عمر بن خطابؓ کا یہ قول پہنچا ہے کہ فرات کے کنارے اگر ایک بکری کا بچہ بھی ضائع ہو گیا تو قیامت میں ان سے سوال ہو گا؟ تم کہاں اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھتے ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو حاکم عوام کو دھوکا دیگا اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔ حق بات سن کر اگر تم ناراض ہوتے ہو تو یہ نہ بھولو کہ اللہ تمہاری اس ناراضگی سے ناراض ہو گا۔ یہ بھی سن لو کہ ہادی برحق ﷺ نے فرمایا ---- جب نصیحت کی کوئی بات سنو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت سمجھو ورنہ نصیحت کی وہ بات قیامت کے روز تم سے سوال کرے گی کہ تم نے کیوں مجھ پر عمل نہیں کیا؟ اور نصیحت کو سن کر منہ پھیر لینے والے کے پاس اس وقت اس کا کوئی جواب نہیں ہو گا۔ دربار میں سکوت طاری تھا اور تقریر جاری تھی۔ جو دنیادار عہدے دار اپنے منصب کے لئے حاکم وقت کی خوشنودی کے لئے عدل و انصاف کا گلا گھونٹتے تھے یہ تقریر سن کر پہلو بدلتے رہے۔ سورۃ فرقان میں ہے ----- رحمان کے بندے وہ ہیں جو اس کے کلام کی آیات سن کر نصیحت کی

جائے تو اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہتے۔ یہاں جو کارندے تھے وہ اندھے اور بہرے تھے۔ ان کے کالے دل ان باتوں کی تاب کہاں لا سکتے تھے۔ لیکن زبان بند کئے وہ اپنے سربراہ کو دیکھتے رہے کہ اگر وہ برہم ہو جائے تو تلواریں سونت کر اس بے باک پر پل پڑیں لیکن وہاں کچھ اور ہی حال تھا۔ سکوت منصور کی سسکیوں سے ٹوٹا جو یہ عتاب آمیز خطاب سن کر تولیئے میں منہ چھپا کر بے اختیار رونے لگا۔

ان بزرگ نے وفات پائی تو جب ان کی میت قبر میں اتاری جا رہی تھی اس وقت لبنان کے گورنر اسحٰق بن حماد نمیری نے کہا۔۔۔۔۔ ابو عمرو تم پر اللہ رحم فرمائے۔ مالک الملک کی قسم ہے میں تم سے اتنا ڈرتا تھا کہ مجھے اپنے حاکم منصور کا بھی اتنا ڈر نہ تھا۔ مسلم میں ہے' اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جس شخص کو تمہارے کاموں کا ذمے دار بنایا گیا ہے اسے یعنی حاکم کو بھلائی کی نصیحت کرو۔ امام اوزاعیؒ اسی پر عمل پیرا تھے۔ تاریخ اسلام پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوتا ہے ہماری تباہی کے دو بڑے اسباب رہے ہیں۔۔۔۔۔ ایک سبب ہے امراء کا فساد آج کی اصطلاح میں یہ نوکر شاہی کے جھگڑے ہیں۔ جس مملکت کے کارندے سیاسی جوڑ توڑ اور محلاتی سازشوں میں مبتلا ہو جائیں تو پھر اس ملک کا اللہ ہی حافظ ہے۔ پیشہ ور سیاست دانوں سے کسی ملک کو اتنا نقصان نہیں پہنچتا ہے جتنا نقصان سازشوں میں ملوث نوکر شاہی سے پہنچتا ہے۔

تباہی کا دوسرا سبب علمائے امت کی بزدلی ہے۔ اگر عالم دین کی زبان حق کہنے سے رک جائے تو صلاح و فلاح کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔

(بشکریہ! نوائے وقت)

پیکی راڈرک (ہندوستان)

میں ہندوستان میں برطانوی راج کے دوران ایک اینگلو انڈین خاندان میں پیدا ہوا۔ میں نے ابتدائی تعلیم ایک مشن اسکول میں حاصل کی جہاں مذہب پر بطور خاص توجہ دی جاتی تھی۔ میں مسیح علیہ السلام کی زندگی سے بہت متاثر ہوا، مگر ابتداء ہی سے مجھے احساس ہونے لگا کہ انجیل کی تعلیمات انسانی فطرت اور حقیقت کے برخلاف ہیں۔ چنانچہ اگر ہم انہیں بروئے کار لائیں تو انسانی تہذیب کا جنازہ نکل جائے اس ضمن میں ذیل کی مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

"اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے آپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا" (الوقا 14۔23)

"کیونکہ بعض خوجے! ایسے ہیں جو ماں کے پیٹ ہی سے ایسے پیدا ہوئے اور بعض خوجے ایسے ہیں جن کو آدمیوں نے خوجہ بنایا اور بعض خوجے ایسے ہیں جنہوں نے آسمان کی بادشاہی کے لئے اپنے آپ کو خوجہ بنایا جو قبول کر سکتا ہے وہ قبول کرے" (متی 19۔12)

"لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرو بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتہ لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا" (متی 5، 29، 41)

ظاہر ہے یہ تعلیمات یا تو خانقاہوں میں رہنے والے راہبوں کے لئے ہو سکتی ہیں یا تارک الدنیا صوفیوں کے لئے، روزمرہ کی زندگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی مرد یا عورت اپنے معمولات میں ان کی اتباع کر سکتا ہے۔ چنانچہ عہد حاضر میں اگر کوئی حکومت ان "اصولوں" کے مطابق قانون سازی کرے اور افراد اپنی زندگی میں ان پر عمل کریں تو ہر

طرف لاقانونیت اور افراتفری کا سماں پیدا ہو جائے گا۔

دوسری چیز جس پر مجھے کسی طرح اطمینان نہیں ہوتا تھا وہ عیسائیت میں مذہب اور سیاست کی تفریق ہے۔ اسی نظریے نے یورپ میں میکاویلین نقطہ نظر (دھونس، دھاندلی اور دھوکے کی سیاست) پیدا کیا۔ بائبل کے مطابق یسوع مسیح نے کہا تھا۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں" (متی 10۔34)

چنانچہ اس نے اپنے شاگردوں کو ہدایت کی۔

"جس کے پاس تلوار نہ ہو وہ اپنی پوشاک بیچ کر تلوار خریدے" (الوقا 22۔36)

مگر خرابی یہ ہوئی کہ عیسائیوں کو تلوار کا جائز استعمال نہ سکھایا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے پیروکاروں کے ہاتھ میں ہمیشہ ہی تلوار نظر آتی ہے۔ یہی تلوار تھی جس کا صلیبی جنگوں میں بار بار استعمال کیا گیا اور غیر مسیحی علاقوں میں بے گناہ انسانوں کو بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ یہاں تک کہ ایک مسیحی فرقے نے دوسرے مسیحی فرقے کا بے دریغ قتل عام کیا۔ پھر سامراجی طاقتوں نے بھی چرچ کی مقدس اشیرباد کے ساتھ تلوار اٹھائی اور ایشیاء اور افریقہ میں قتل و غارت گری اور ہمہ نوع استحصال کی حد کر دی حتی کہ نیوزی لینڈ، آسٹریلیا اور شمالی امریکہ کے قدیم باشندوں کو بالکل ہی ملیامیٹ کر دیا۔ میری زندگی میں فیصلہ کن موڑا اس وقت آیا جب 1945ء میں امریکیوں نے جاپان کے شہر ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے۔ لاکھوں کی تعداد میں مرد عورتیں اور بچے لقمہ اجل بن گئے۔ جب کہ ان گنت تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو بدقسمتی سے موت کے منہ سے بچ گئے تھے مگر ناقابل تصور اذیتوں اور عقوبتوں میں مبتلا ہو کر رہ گئے تھے۔ میرا دل خوف سے بھر گیا اور اس وقوعہ کے بعد میں کئی راتوں تک اطمینان کی نیند نہ سو سکا۔ پھر جب میں نے پڑھا کہ امریکی فوجیوں نے جاپان میں کیا کہرام مچایا ہے تو مجھے شدید نفرت کے احساس نے گھیر لیا اور اس وقت تو

میرے جذبات میں آگ لگ گئی جب میں نے سنا کہ جنرل میکارتھر کی سرپرستی میں عیسائی پادریوں کے غول جاپانی جزیروں پر اتر آئے ہیں تاکہ مقامی باشندوں کے ضمیر خرید کر انہیں عیسائی بنائیں اور ان سے جاسوسی کا کام لے سکیں۔ سامراجی طاقتوں کی ہمیشہ سے یہی چال رہی ہے وہ لالچ دے کر مقامی لوگوں میں سے ایک طبقے کو عیسائی بناتے ہیں اور پھر یہ طبقہ اپنی قوم سے غداری کر کے سفید فام آقاؤں کی حاشیہ برداری کرتا ہے۔

جب میں کالج میں پڑھتا تھا تو مختلف عقیدوں کے مردوں اور عورتوں سے میرا تعارف تھا۔ مجھے یہ بتایا گیا کہ تمام غیر عیسائی لوگ کافر اور گمراہ ہیں مگر میں ان لوگوں کے قریب آیا اور غور سے ان کے رہن سہن اور نظریات کا مطالعہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ کافر لوگ اور غلط مذہب عیسائیوں اور عیسائیت کے مقابلے میں کہیں زیادہ رواداری' مروت اور احترام انسانیت کے قائل ہیں میرے دل میں ان مذاہب کے لئے خوشگوار جذبات پیدا ہونے لگے۔ خصوصاً ایک مسلمان میرا بہت گہرا دوست تھا۔ اس نے مجھے اپنے عقیدے کے بارے میں ضروری تفصیلات بتائیں تو میں نے بہت جلد یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ عیسائیت کے مقابلے میں اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو انسانی فطرت اور عقل کو مطمئن کرتا ہے۔ خاص طور پر اسلام میں توحید کا مسئلہ تثلیث کی نسبت عقل و شعور کے ذریعے خدا سے جوڑتا ہے اور یہ عین عقلی بات نظر آتی ہے مگر عیسائی ہر دوسرے مذہب کو کفر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسلامی کی اخلاقی تعلیمات مثالی نوعیت کی ہیں۔ جن کو اختیار کر کے ایک انسان بھرپور قسم کی دنیاوی زندگی گزارنے کے باوجود اللہ کے قریب بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں مذہب اور سیاست میں کوئی تفریق نہیں چنانچہ وہ اصول جو ایک انسان اپنی انفرادی زندگی میں بجالاتا ہے انہی کو حکومت عوام سے معاملہ کرتے ہوئے بروئے کار لائے گی اور وہی اصول ایک ریاست کو دوسری ریاستوں سے تعلقات استوار کرتے وقت کام دیں گے۔ اس طرح اس میں کسی بے انصافی یا استحصال کی کوئی گنجائش نہیں نہ نو آبادیاتی نظام' سامراجیت' طبقاتی کشمکش یا غیر منصفانہ نظام کے تحت نہیں آجاتے' دفاع کی

ضرورت اور افادیت اپنی جگہ برقرار رہے گی، مگر اسلام کے قانون صلح و جنگ عین فطری اور انسانی مفاد میں ہیں۔

اسلام کا نظریہ جہاد عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور نہتوں کی حفاظت کرتا ہے۔ یہاں ہسپتالوں، اسکولوں، عبادت گاہوں اور رہائشی مکانوں پر بمباری کی کہیں گنجائش نہیں۔ اسلام صرف انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دینے کے لئے لڑتا ہے یا پھر اس وقت تلوار اٹھاتا ہے جب تبلیغ دین کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کی جائیں یا دشمن جارحیت پر اتر آئیں۔ مگر یہاں کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا نہ وہ کسی سامراج کے مظلوم و بے سہارا عوام پر ظلم و ستم کو برداشت کرتا ہے۔ مسلمان ہر وقت جنگ بندی اور صلح پر تیار رہتا ہے۔ خواہ دشمن اس بہانے انہیں دھوکا ہی کیوں نہ دے رہا ہو۔ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے۔ اسلام میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ خلق خدا کی خدمت کی جائے اور ان کی مشکلات کا مداوا کیا جائے چنانچہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے اچھا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا "کسی انسان کا دل خوش کر دینا" بھوکے کو کھانا کھلانا، مظلوم کی داد رسی کرنا، کسی پریشان حال کا دکھ بانٹ لینا اور کسی زخمی کا علاج و معالجہ کر دینا"

میں اسلام کے نظریہ اخوت سے بے حد متاثر ہوا ہوں جو رنگ، نسل اور قبیلے کے امتیازات سے بلند ہو کر سب کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔ اسلام میں سب لوگ برابر ہیں اور مساوات کا یہ عمل بین الاقوامی اور عالمگیر ہے۔ اسلام نے عملی طور پر انسانوں کے درمیان حائل خلیجوں کو پاٹ دیا ہے اور صحیح معنوں میں بنی نوع انسان کو خدا کا کنبہ بنا دیا ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ کی ساری مخلوقات اس کا کنبہ ہے اور خدا کو وہی سب سے زیادہ محبوب ہے۔ جو اس کے کنبے کے ساتھ بھلائی سے پیش آتا ہے"

خودی عشق سے محکم ہوتی ہے

(عبدالرشید ساہی)

عشق خودی کے لئے آب حیات کا کام دیتا ہے عشق کی آبیاری سے ہی خودی زندہ و تابندہ بن جاتی ہے اور بندہ کو اللہ کا نائب بنا دیتی ہے علامہؒ کے نزدیک عشق کی گرمی ار محبت کی تپش ہی خودی کی اصل زندگی ہے۔

عشق کے مضراب سے نغمہ تار حیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات

عشق کی آگ میں بہت زیادہ قوت ہے۔ خودی کی تمام بلندیاں اور تمام رفعتیں اس کی ممنون ہیں۔ عشق میں وہ روشنی ہے کہ بڑی سے بڑی ظلمت کا خاتمہ کر دیتی ہے یہ وہ موج تند جواں ہے جو نہنگوں کے نشیمن کو تہہ و بالا کر دیتی ہے عشق میں جہاں گرمی تڑپ ہے اس میں روح افزاء اور دلکش ٹھنڈک بھی ہے ایسی ٹھنڈک کہ اگر اس عشق کو آتش نمرود میں بھی پھینک دیا جائے تو آتش کو یارا نہیں کہ اس ٹھنڈک کے سامنے زانوئے شکست نہ ٹیک دے عشق کی یہ روشنی جب مولانا رومیؒ کی جلالت علمی تک پہنچی تو اس نے اس علم کو عمل بنا دیا جو علم مولانا رومیؒ کی لائبریری اور مولانا کے دماغ تک محدود تھا اس علم کو مولانا کے رگ و پے اور صرف مولانا ہی نہیں بلکہ ان کے پورے ماحول پر نافذ کر دیا اور پورا روم اس کے نور سے جگمگا اٹھا بغیر عشق کے خودی اس شمع کی طرح ہے جس میں شعلہ نہ ہو۔

تاریخ عالم کی ہزاروں کتابیں مجازی عشق پر لکھی گئیں انسانوں نے اس کیفیت سے مغلوب ہو کر ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں کہ علم اور خرد کی رسائی سے باہر ہیں ان واقعات میں ایسے ایسے مقام بھی آئے ہیں کہ عقل اس کا تصور کرتے ہی کانپ جاتی ہے اور سر دست ان کو ماننے سے انکار کر دیتی ہے مگر حقیقت جھٹلائی نہیں جا سکتی ان مقامات کا ادراک صرف اسی کو ہو سکتا ہے جو اس ریگزار سے ہو کر آیا ہو۔

نہ فنا میری نہ بقا میری مجھے اے شکیل نہ ڈھونڈیے
میں کسی کا حسین خیال ہوں میرا کچھ وجود عدم نہیں

دراصل عشق مجازی ایک ایسا دریچہ ہے جس میں سے حقیقی منزل کو باسانی دیکھا جاسکتا ہے میرے اپنے خیال میں عشق حقیقی کو پالینے کا یہ نزدیک ترین رستہ ہے۔ لیکن اس رستہ کا سراغ پیر حقیقت اور رہبر شریعت کے بغیر ملنا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے عشق مجازی کے دوران اگر کسی مرد قلندر کی صحبت اور قرابت میسر آ جائے تو یہ صرف دو قدم کا فاصلہ ہوتا ہے وگرنہ انسان تاریکیوں میں خوار ہو جاتا ہے اور دنیا و عاقبت میں رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ لیکن یہ آب حیات جسے اقبال عشق کہتا ہے کہاں سے حاصل کیا جاسکتا ہے' اس کا سرچشمہ کہاں ہے؟ وہ کونسی ہستی ہے جو اس شعلہ شمع کا منبع ہے؟ کون اس عشق و محبت کا منبع اور مرکز ہے؟ اقبالؒ نے اس مقام پر فلسفہ زدہ صوفیوں کی طرح ٹھوکر نہیں کھائی۔ عشق مجازی کے سراب میں اقبال کھویا نہیں نہ ہی اس نے شراب الست کو بہانہ بے عملی بنایا ہے اس نے قرآنی سطور کو سامنے رکھ کر اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے اقبال کی یہ تعلیم اس کا کوئی فلسفیانہ نظریہ نہیں بلکہ یہ اساس دین ہے نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے "کوئی شخص اس وقت تک ایمان لا ہی نہیں سکتا جب تک کہ میں اس کو اپنی اولاد' اپنے والدین حتی کہ تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں"

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

تو معلوم یہ ہوا کہ خودی کی اصل زندگی عشق ہے اور عشق بھی حضور اکرم ﷺ کا۔ لیکن اس عشق کا اظہار کیونکر ہو۔ کیا صرف زبانی خرچ تک۔ صرف قوالیوں اور نعتوں کے ذریعے؟ نہیں ہرگز نہیں اظہار عشق کا طریقہ خود اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی" (ان سے فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو) یعنی صرف زبانی کلامی غلام ہیں غلام ہیں رسول ﷺ کے غلام ہیں کہنے سے بات نہیں بنے گی بلکہ نبی مکرم ﷺ کی پیروی کرنے سے خودی اپنے کمال کو پہنچے گی اور انسان کو خدا تعالیٰ کا لقاء' قرب اور محبت نصیب ہوگی اتباع کا مطلب ہے نقش قدم پر چلنا' والہانہ عقیدت کے ساتھ اور سوائے ان نقوش کے کسی جگہ قدم نہ رکھنا اتباع کی عملی نظیر واضح طور پر ہمیں صحابہ کرامؓ کی زندگی میں نظر آتی ہے ان کی

کامیابیوں اور کامرانیوں کا راز اسی میں پوشیدہ تھا آج بھی اگر کوئی انسان اپنی شدید محبت کا رخ مالک کائنات کی طرف موڑ دے اور اتباع رسول ﷺ پر کمربستہ ہو جائے تو خدائے لم یزل کی قسم زندگی کے تمام شعبوں میں کامرانیاں اس کا مقدر بن جائیں گی اور تمام خدائی قوتیں اس کے تابع ہونگی۔

وہ آتش آج بھی تیرا نشیمن پھونک سکتی ہے
طلب صادق نہ ہو تیری تو پھر کیا شکوہ ساقی

آج بربادیاں ہمارا مقدر بن چکی ہیں مسلمان جگہ جگہ ذلیل اور رسوا ہو رہے ہیں کرہ ارض پر ہمارا زندگی بسر کرنا دشوار ہو چکا ہے ناکامیاں ہمارا منہ چڑا رہی ہیں ہم لحہ بہ لحہ پستی کی عمیق گہرائیوں میں اترتے جا رہے ہیں آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ ہم نے اس بارے میں کبھی نہیں سوچا کہ عشق کا تعلق عقل سے نہیں بلکہ عمل سے ہے یہ لب بام تماشائی نہیں ہے بلکہ یہ اندیشہ سود و زیاں سے برتر ہے یہ جان سے زیادہ تسلیم جان پر یقین رکھتا ہے یہی وجہ تھی کہ وقت آیا تو

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اس عشق کے ذریعے جو عمل انگیز اور عمل پرور ہے جو نعرہ ہائے بلند کا نہیں بلکہ اتباع کا قائل ہے اس سے خودی کی تعمیر و تربیت ہوتی ہے اور اس طرح جو خودی کی تعمیر کرتا ہے وہ بالکل اسی طرح نیابت الہٰی کے مقام کو پہنچتا ہے۔ وہ اسی طرح کا خلیفہ ہے جس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ لیکن یہ مقام حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کی اپنے رب سے شدید محبت ہو اور نبی مکرم ﷺ کی مکمل پیروی کی جائے اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت تھی؟ کہ اس نے اپنے عزیز ترین بندہ اور محبوب ترین رسول کو مشکل سے مشکل ترین حالات میں سے گزارا۔

آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے' کوڑا کرکٹ پھینکا گیا۔ گالیاں دی گئیں' ساحر اور جادوگر کے القاب سے نوازا گیا۔ شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا ہر قسم کا لین دین اور میل جول ختم کر دیا گیا مکہ مکرمہ سے ہجرت پر مجبور کر دیا گیا اس پر بھی کفار کو سکون نہ آیا پھر مدینہ منورہ میں بھی سکون سے نہ رہنے دیا گیا نت نئے طریقے آپ کو پریشان کرنے کے لئے ایجاد ہوتے رہے لیکن اس کے باوجود بھی آپ ﷺ کے پائے استقلال میں رتی برابر فرق نہیں آیا آخر یہ سب کیا تھا؟ صرف اور

صرف آپ کے عشق کا امتحان تھا جس میں آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کامیاب و کامران قرار پائے اسی طرح جو بھی کوئی انسان میدان کار زار عشق میں قدم رکھے گا اس کا امتحان ضرور ہوگا یہ کام کم ظرف اور بزدل لوگوں کا نہیں ہے بلکہ یہ انتہائی دلیر اور نڈر لوگوں کا کام ہے کہ جب جان پر کچھ بھی نہ بچے تو بخوشی کہہ دیتے ہیں۔ جیسے یار کی مرضی ہم تو خالق کائنات کی رضا پر ہر وقت راضی ہیں اور ہر حالت میں اس کا شکر ادا کرتے ہیں بڑے سے بڑے مقام کے حصول کے لئے شدید ترین جدوجہد کرنی پڑتی ہے تب کہیں جاکر گوہر نایاب ملنے کی امید پیدا ہوتی ہے پھر بھی یہ مقام اللہ کے کرم اور فضل کے بغیر ناممکن ہے۔

محبوب خدا ﷺ نبی مکرم ﷺ نے زندگی کے تمام شعبوں میں انسانیت کی رہنمائی فرمادی ہے انسان اس دنیا میں آزاد اور خود مختار ہے وہ جو کچھ چاہتا ہے۔ اپنی مرضی سے کرتا ہے دراصل یہ تقدیر کا بھی پابند نہیں وہ اگر پابند ہے اور اسے ہونا بھی چاہئے تو وہ صرف ایک امر کا اور وہ ہے اس کے خالق و مالک کا حکم' اس کے مالک کا آئین اور ضابطہ حیات جو مختلف اوقات میں آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی شکل میں آتا رہا ہے اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی وہ چٹھی بھی آگئی جس کو رب کریم نے مکمل ضابطہ حیات کہا ہے انسان کو دنیا میں اس طرز کی زندگی گزارنی چاہیے جس طرز کی زندگی گزارنے کے لئے اسے اس دنیا میں بھیجا گیا ہے جن باتوں سے اس کو روکا گیا ہے اسے ان باتوں سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیے۔ اسے اس دنیا میں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے اس کی تعلیم و تربیت انبیاء کرتے آئے ہیں اور جب سے نبی مکرم ﷺ پر آکر انبیاء کی آمد کا سلسلہ بند ہوا ہے۔ اس کی تعلیم و تربیت یعنی آدم گری اب اولیاء اکرام کرتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے اپنے آخری خطبہ میں یہ ارشاد فرما کر (کہ جن لوگوں نے اللہ کا پیغام سن لیا ہے ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پیغام کو ان لوگوں تک پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں) یہ نشاندہی فرمادی کہ اولیاء اکرام میرے وارث ہونگے اب یہ وہی کام انجام دے رہے ہیں لیکن اولیاء اللہ کی پہچان بہت ضروری ہے نام نہاد صوفیوں' راہبوں اور دوکاندار پیروں نے دین کو سخت نقصان پہنچایا ہے یہ خدا کے مجرم ہیں ولی اللہ تو اتباع رسول میں غرق ہوتا ہے وہ کسی ایسے کام کا تصور بھی نہیں کرسکتا جو کہ آپ ﷺ نے نہیں کیا کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی انسان کامیاب و کامران قرار پائے گا جو کہ نمونہ اکمل (نبی مکرم ﷺ) کے عشق میں غرق ہوگا۔

انسان اس دنیا سے واپس بلالیا جائے گا تو اس سے جواب طلبی کی جائے گی کہ دنیا میں اس نے

اپنا فرض کس حد تک پورا کیا۔ کس حد تک وہ خدا کا نائب' خدا کا فرمانبردار رہا اور خدا کی مرضی کے مطابق تسخیر کائنات کرتا رہا اور کس حد تک اس نے باغیانہ طور پر اپنی من مانی کی۔ اسے اس کا اپنا جسم اور کائنات کی دیگر اشیاء بطور امانت دی گئی تھیں اگر اس نے مالک کے دیئے گئے جسم کے ساتھ مالک کی کائنات میں' مالک کی مرضی کے خلاف تمام اشیاء کو استعمال کرنا شروع کر دیا تو اس نے امانت میں تمام اشیاء کو استعمال کرنا شروع کر دیا تو اس نے امانت میں خیانت کی اس کے خلاف ایک عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا اور سزا دی جائے گی لیکن اگر اس نے مالک کی دی ہوئی امانتوں کو مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کیا تو اسی عدالت سے اس کو انعامات دئے جائیں گے انسان مالک سے انعام و اکرام حاصل کرنے میں صرف اسی وقت کامیاب ہو گا جب وہ خدا اور رسول خدا سے عشق کی حد تک محبت کرنے لگے گا دنیا والی زندگی میں بھی یہی اصول کار فرما ہے کوئی انسان جب تک اپنے مقصد کو پانے کے لئے جنونی حد تک کاوش نہیں کرتا وہ ساحل مراد کو نہیں پا سکتا۔

میاں محمد صاحب فرماتے ہیں۔

جس تن اندر عشق سمانا فیر نہیں اس جانا
سوہنے پاویں ملن ہزاراں اساں ناں یار وٹاناں

جو انسان اللہ کو رب مان کر اس پر ڈٹ جاتا ہے وہی دنیا و آخرت میں فلاح پاتا ہے۔ منزل مقصود کو حاصل کرنا لنگڑے' لولے اور کم ہمت لوگوں کا کام نہیں ہے یہ بڑے بلند ارادہ' باہمت' باکردار' نڈر' ولولہ انگیز لوگوں کا کام ہے اگر زندگی میں جذبہ عشق شامل نہ ہو تو انسان اپنی حقیقت' اپنا منصب اپنی منزل اپنی عظمت اور اپنا مقام بھول جاتا ہے اور بالکل حیوانوں کی مانند ہو تا ہے اسے یاد نہیں رہتا کہ وہ ہے کون' کس لئے پیدا ہوا اس کو کیا کرنا ہے۔ ایک شخص آپ کو رستہ میں ملے اور آپ اس سے دریافت کریں کہ تم کون ہو اور وہ کہے پتہ نہیں۔ کہاں سے آ رہے ہو پتہ نہیں اچھا بھئی کہاں جا رہے ہو پتہ نہیں تو اس شخص کے بارے میں آپ یہی رائے قائم کریں گے کہ یہ شخص پاگل ہے یا اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔

عشق کائنات کا عروج ہے انسانیت کا فخر ہے زندگی اس میں مضمر ہے اس میں حیا ہے زندگی کی بقا ہے انسان کی انا ہے یہ حقیقت وفا ہے حق کی صدا ہے اس میں بڑا مزہ ہے۔

عشق خودی کی تعمیر کرتا ہے اس میں رنگ بھرتا ہے عشق کے بغیر خودی مردہ ہے نہ ہی اس کا

وجود ہے اس میں سرور ہے خودی (عشق) کے بغیر بے کیف اور بے نور ہے علامہ اقبالؒ کا پیغام ہی انہوں نے جابجا عشق کے متعلق اظہار فرمایا ہے

عشق تمہید کی دیرینہ لمحے کے ابد ہے
عشق انسانی ہے فانی، زندہ جاوید عشق
عشق کے خورشید سے شام اجل شرمندہ ہے
عشق سوز زندگی ہے تا ابد پائندہ ہے
رخصت محبوب کا مقصد فنا ہوتا اگر
جوش الفت بھی دل عاشق سے کر جاتا سفر
عشق کچھ محبوب کے مرنے سے مر جاتا نہیں
روح میں غم بن کے رہتا ہے مگر جاتا نہیں

دوستو! عشق میں جینا اور عشق میں مرنا سیکھو عرس و دعوں کے عشق سے نجات پا جاؤ اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا عشق اپناؤ اسی میں دنیا و آخرت کی فلاح ہے یہی وہ نسخہ کیمیا ہے جس میں قوموں کے لئے شفا ہے یہ بڑا جرات مند، دلیر اور بے خوف جذبہ ہوتا ہے جان پر کھیل جانا اس کے سامنے معمولی بات ہے سردار مسکرانا اس کی عادت ہے طوفانی موجوں میں کود جانا اس کی پرانی روایت ہے۔ خطروں میں پل کر جوان ہوتا ہے بے خطر کھا کر دعائیں دیتا ہے جوں جوں تلوار ہو حق کی صدا دیتا ہے ستم سہہ کر دعائیں دیتا ہے۔

عشق نہیں آساں اتنا ہی سمجھ لیجئے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے پیر و مرشد قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کو صحت کاملہ اور عمر دراز عطا فرمائے اور ان کو ہمارے لئے اپنی لقاء محبت اور قرب کا وسیلہ بنائے جو کاوش قبلہ حضور ہمارے قلوب کی اصلاح کے لئے فرما رہے ہیں اس میں سرعت اور برکت پیدا فرمائے اور قبلہ حضور کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

نماز میں اخلاص

(میاں عبدالرشید)

کسی نے پیر توکل" شاہ صاحب سے پوچھا۔ حضرت نماز میں اخلاص کیا چیز ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد گرامی۔ احسان (اخلاص) یہ ہے کہ نماز میں یہ خیال رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ نہ ہو تو کم از کم اتنا ضرور خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ اس نے عرض کیا۔ حضرت یہ بات کیسے میسر ہو؟ کہا "یہ بات اللہ تعالیٰ کی حضوری سے میسر ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی حضوری ہو گی اور یہ خیال ہو گا کہ میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں یا اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ تو دل میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت وارد ہو گی اور اسی ہیبت کا نتیجہ خشوع ہے۔ خشوع و خضوع یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس طرح سجدہ کرے جیسے کوئی مجرم عاجز و لاچار ہو کر اور اپنی عزت و وجاہت کو ہیچ سمجھ کر اپنے آقا کے پاؤں پر گرتا ہے اور نہایت عاجزی و زاری کے ساتھ اپنا جرم معاف کراتا ہے۔ اپنے گناہوں پر نادم و پشیمان ہو کر معافی کا خواستگار ہو۔ جب اس طرح کا خشوع اور ایسی حضوری میسر ہو جائے تو نماز میں خود بخود اخلاص آجائے گا"۔

اور اصل ان باتوں کی یہ ہے کہ جناب رسول پاک ﷺ نے جس طرح غار حرا میں چھ برس کلمہ طیبہ پڑھا اور پکایا تھا اسی طرح اسے پکایا جائے۔ بندہ یہی کرلے تو اس کی برکت سے از فرش تا عرش کشف ہو جائے گا اور کلمہ طیبہ کی حقیقت بندے کے قلب میں وارد ہو کر ڈیرہ ڈال دے گی اور اپنا گھر بنا لے گی۔ اس کے بعد نماز روز' حج' زکواۃ تلاوت قرآن پاک' درود شریف' غرض بندہ جو عبادت بجالائے گا' اس کی حقیقت بندہ کے دل میں وارد ہو کر خود بخود حضوری پیدا کردے گی۔ چونکہ یہ حقیقتیں حقائق الہیہ میں سے ہیں' اس لئے جس قدر یہ وارد

ہوں گی' اسی قدر قرب الٰہی زیادہ ہو گا اور تجلیات ذات کا ورود شروع ہو جائے گا اور ان تجلیات میں سیر ہونے لگے گی۔ اس سے حضوری خشوع و خضوع حاصل ہو جائے گا اور بغیر کسی تکلیف کے اخلاص پیدا ہو جائے گا"

ایک اور موقع پر فرمایا "فوت شدہ اولیاء اللہ میں نفس نہیں ہوتا' اس لئے فیض حاصل کرنے والے کو اپنی طاقت سے کھینچ کر فیض لینا پڑتا ہے جو صاحب ارشاد حیات ہو' اس کی صحبت میں بہت فائدہ ہے۔ کیونکہ اس میں نفس ہے۔ پھر فرمایا' نفس کی بھی عجیب خاصیت ہے۔ جب یہ امارہ ہو جائے تو برائی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا۔ مگر جب یہ مطمئنہ ہو جائے اور پوری طرح قابو میں آ جائے تو کام بھی بڑے اچھے کرتا ہے جب نفس منور اور پورا مطیع ہو جائے' تو کسی وقت ایسا پیچ لگاتا ہے کہ مرید کو لمحوں میں اعلیٰ رتبہ پر پہنچا دیتا ہے۔ "نفس مطمئنہ والے بزرگوں سے توجہ لینا وصل کا بہت ہی قریب راستہ ہے۔ بندہ کو چاہئے پہلے زندہ صاحب ارشاد سے بیعت ہو کر اس سے فیض لینے کی اٹکل سیکھے۔ اس کے بعد اہل قبور سے فیض لے' تو بہت جلد ترقی ہو سکتی ہے۔ ورنہ دیکھو قبور پر جو مجاور بیٹھے ہوتے ہیں' ان میں سے کسی کو فیض کی کچھ خبر ہی نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہ ہر وقت وہیں بیٹھے رہتے ہیں۔

آخر ہمارا مسئلہ ہے کیا؟ (آخری قسط)

(کے ایم اعظم)

حکومت کو چاہیئے کہ ایک خصوصی ادارہ صرف اس کام کے لئے قائم کرے' جو یہ پتہ لگائے کہ فرنگیوں نے ہمیں کہاں کہاں ڈسا ہے اور ہماری قومی زندگی میں اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟ حیرت ہے کہ انگریز کے اپنے مفادات میں استفادہ کئے ہوئے مسلمان زعماء کو ہم نے اب تک اپنا ممدوح قرار دے رکھا ہے۔ جب تک ہم اپنے انحطاط کی وجوہات کی نشاندہی کر کے اس کی بنیادوں کو ویران نہ کردیں گے' اس پر اپنے استحکام کی نئی عمارت کھڑی نہ کرپائیں گے۔

اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم اسلام کو کبھی کا چھوڑ چکے ہوتے' مگر ہم اس کو چھوڑ نہیں سکتے کیونکہ ہمارے پاس اسلام کے سوا کوئی اور دوسرا راستہ نہیں۔

میر کے دین و مذہب کو کیا پوچھتے ہو اس نے تو
قشقہ کھینچا' دیر میں بیٹھا' کب کا ترک اسلام کیا

اب اگر ہم سلامتی و بقاء چاہتے ہیں تو ہمارے لئے ناگزیر ہے کہ ہم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں۔

اس کے لئے فقط چشم نم کافی نہیں' ہمیں پابہ جولاں بھی چلنا پڑے گا اور جان بھی لڑانی پڑے گی۔(۱۷۷'۲-۳۵'۸)

ہمیں یہ اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ توحید کا فقط لفظی اقرار اور اس پر روایتی عمل کافی نہیں ہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

توحید کی وصولیاتی یا عمل پذیری (Realization) بھی ضروری ہے۔ دوسرے الفاظ میں جب توحید ہمارے خون میں نہیں رچے گی' کام نہیں بنے گا۔ توحید پر مضبوطی سے قائم ہوئے بغیر ہمارے سارے انسانی رشتے بھی خام و نامکمل رہ جاتے ہیں اور ہماری ساری عبادات ناقابل قبول ہو کے رہ جاتی ہیں (۱۴۲'۴-۱۰۷'۱)۔ توحید' مخافتہ اللہ' صدق' اخلاص اور اخلاق کو اپنا کر ہی جو نمازیں قائم ہوں گی' وہی قابل قبول ہوں گی اور ہمیں برائیوں اور فحاشی سے بچا سکیں گی۔ توحید کے بغیر انسان

ذہن میں مبتلا ہو کے شکست و ریخت کا شکار ہو کے رہ جاتا ہے' کیونکہ دنیاوی خداؤں کا ڈر اور مال و زر کی محبت اس کے اعصاب پر سوار ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر مکمل انحصار کئے بغیر انسان کو اللہ کی مدد' خوشنودی اور برکات حاصل نہیں ہوتیں اور یہی ہماری دنیاوی ناکامیوں کی وجہ ہے۔ جب ہم توحید پر قائم ہوں گے تو ہمارے لئے وطن پرستی' نسل پرستی' علاقہ پرستی' قبیلہ پرستی' جماعت پرستی اور مسلک پرستی بے معنی ہو کے رہ جائیں گی۔

آخر جب دنیاوی طاقتیں ہماری جان کے درپے ہیں تو ہمارے پاس اس کے علاوہ چارہ ہی کیا ہے کہ ہم مکمل طور پر اللہ کی پناہ میں چلے جائیں۔ جب ہم توحید پر قائم ہوں گے تو ہمیں یقین ہو جائے کہ اللہ واقعی ہمیں دیکھ رہا ہے۔ توحید پر سچا یقین نہ رکھنے والا انسان بے ضمیر' لالچی' مادہ پرست' توہم پرست اور بزدل ہو جاتا ہے۔ کسی مادہ پرست سے قومی فلاح کی امید رکھنا عبث ہے کیونکہ وہ قومی مفادات پر ذاتی مفادات کو ترجیح دیتا ہے۔ اگر ہم پاکستانی مسلمان توحید پر قائم ہو جائیں تو اللہ ہمیں خود راستہ دکھائے گا۔ توحید پر قائم ہونے والوں کو اللہ یقین دلاتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہے۔ وہ جو اس کو پکاریں گے وہ ان کو جواب دے گا اور اگر وہ اسے یاد کریں گے تو وہ ان کو یاد کرے گا۔ ہمیں یہ بات بھی بھولنی نہیں چاہئے کہ جس ریاست میں طاغوتی نظام قائم ہو وہاں توحید قائم نہیں ہو سکتی۔

پاکستان میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کا دارومدار نہ تو جماعت بندی میں ہے اور نہ تنظیم سازی میں اور نہ ہی نظریاتی دینداری یا آئیڈیالوجی ہم میں کوئی نئی روح پھونک سکتی ہے۔ رجوع الی المغرب نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا اور نہ ہی اب ٹیکنالوجی کا بھوت ہمیں اپنی منزل تک پہنچائے گا۔ ان دگرگوں اور بگڑتے ہوئے حالات میں جب کہ ہمارا "دوست" امریکہ ہمیں ہر طرف سے ڈس رہا ہے اور ہمارا دائمی دشمن بھارت ہماری جان کے درپے ہے' تو ہمارے لئے رجوع الی اللہ کے سوا اور چارہ ہی کیا ہے' مگر یہ رجوع ادھورا اور کمزور نہیں ہونا چاہئے' بلکہ اس کی اساس ایک پائیدار تعلق باللہ' تزکیہ نفس' حکمت اور اخلاص پر ہونی چاہئے تاکہ ہم اللہ کی سچی خوشنودی حاصل کر کے فتح یاب ہوں۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں' کار کشا' کار ساز

اسلام کی نظر میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت

(مولانا محمد شہاب الدین ندوی)

مذاہب عالم میں یہ صرف اسلام کا امتیاز ہے کہ وہ دین اور دنیا دونوں کا جامع ہے اور انسان کو ان دونوں جہانوں کی سعادتوں سے متمتع ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے برعکس دنیا کے دیگر مذاہب میں اس قسم کی جامعیت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ بلکہ واقعہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ بعض مذاہب صرف حصول دنیا پر زور دیتے ہیں اور روحانیت کو فراموش کر دیتے ہیں جیسے یہودی مذہب' چنانچہ یہودیت میں آخرت کا کوئی صحیح تصور موجود نہیں ہے۔ اسی طرح بعض مذاہب دنیا اور دنیوی زندگی کی خوب مذمت کرتے ہوئے صرف روحانیت کے حصول پر زور دیتے ہیں جیسے عیسائی مذہب' چنانچہ عیسائی عقیدے کی روح سے چونکہ انسان کی ابتدا گنہگاری سے ہوئی ہے اس لئے وہ دائمی طور پر ملعون اور مردود قرار پاتا ہے۔ ہندی ادیان میں بھی تکریم آدم اور خلافت ارض وغیرہ کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ بدھ مت ایک منفی تصور حیات پیش کرتا ہے۔ اسی طرح یہ مذاہب بنیادی طور پر رہبانیت یا ترک دنیا کی تعلیم دیتے ہیں اور تذلیل انسانیت کے تصورات پیش کرتے ہیں' تمدن کا ساتھ دینا یا ترقی تمدن کے تصورات پیش کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ اب رہا معاملہ اسلام کا تو وہ واحد مذہب ہے جو انسان کے صحیح مقام و مرتبے کو بلند کرتے ہوئے اس کو عالم آب و خاک کی سب سے زیادہ معزز اور باوقار ہستی قرار دیتا ہے اور دین و مذہب کے ساتھ ساتھ دنیا کی بھلائی اور اس کے حصول کو بھی ضروری بتاتا ہے' جیسا کہ قرآن حکیم کا دعویٰ ہے۔

ولقد کرمنا بنی آدم و حملنا ھم فی البر والبحر ورزقنھم من الطیبت و فضلنھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا

"اور ہم نے آدم کی اولاد کو یقیناً عزت بخشی اور انہیں بر و بحر میں سواریاں عطا کیں (خورد و نوش) عمدہ چیزوں سے انہیں نوازا اور بہت سی مخلوقات پر انہیں کلی فضیلت عطا کی" (بنی اسرائیل

اسلامی عقیدے کی رو سے انسان اس زمین کا سردار اور "گل سرسبد" ہے۔ اسی کی خاطر یہ پورا عالم تخلیق کیا گیا ہے اور اسی کی خاطر انواع و اقسام کی نعمتوں سے بھرپور یہ "عالمی دستر خوان" بچھایا گیا ہے۔

هوالذی خلق لکم مافی الارض جمیعا (اسی نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کی ہیں۔ (بقرہ۔29)

سائنس اسلام کی نظر میں

انسان اس دنیا میں ملعون اور مردود یا قیدی اور اسیر بنا کر پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کو ارادہ واختیار کی آزادی سے نوازتے ہوئے عالم ارض کا صدر نشین اور ایک ذمہ دار ہستی بنایا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں اس نظریہ کی تعبیر "خلافت ارض" یا "زمین کی جانشینی" کے الفاظ سے کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تخلیق آدم کے موقع پر جب اس کو "خلیفتہ الارض" یعنی "زمین کا جانشین" بنانے کا اعلان کیا گیا تو خدائی منصوبے کے مطابق تخلیق آدم کے فوراً بعد حضرت آدم علیہ السلام کو تمام موجودات عالم کے نام بتا کر انسان اول سے ہر چیز کا تعارف کرا دیا گیا۔ تاکہ وہ دنیا کی کسی بھی چیز اور کسی بھی مظہر فطرت سے ناواقف یا ناآشنائے محض نہ رہ جائے۔

چنانچہ آئیہ کریمہ وعلم ادم الاسماء کلها (اور اللہ نے آدم کو تمام نام بتا دیئے) سے اکابر مفسرین نے یہی مفہوم مراد لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا کی تمام چیزوں کے نام اور ان کے آثار و خواص سمجھا دیئے تھے، جن پر خلافت ارض کا دارومدار ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو (حضرت ابن عباسؓ کی تصریح کے مطابق) تمام چیزوں اور ان کی صفات کا علم دے دیا تھا۔ علامہ زمخشری کی تصریح کے مطابق چیزوں کے ناموں کے ساتھ ساتھ چیزوں کے متعلقات اور دینی و دنیوی تمام منافع بھی سمجھا دئے گئے تھے اور امام رازی کے نزدیک اشیاء سے مراد اشیاء کی صفات، ان کی تعریفیں اور ان کے خواص ہیں۔

مختصر یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو "علم الاشیاء" سے نوازا گیا تھا اور یہ دنیا کا سب سے پہلا

علم ہے جو انسان اول کے توسط سے نوع انسانی کو سرفراز کیا گیا اور اس علم کی اہمیت دور قدیم سے زیادہ دور جدید میں نمایاں ہے۔ چنانچہ آج انسان جس چیز کو سائنس یا نیچرل علوم Natural Science کہتا ہے وہ یہی علم الاشیاء یا قرآنی اصطلاح کے مطابق "علم اسماء" ہے، جس کی تعلیم انسان کو روز اول میں ہی دے دی گئی تھی۔ تاکہ وہ اس علم کے ذریعہ خلافت ارض کے میدان کو سر کرے اور دنیا میں خدائی منشاء کے مطابق عدل و انصاف قائم کرے، جیسا کہ قرآن حکیم میں حضرت داؤد علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

یا داود انا جعلنک خلیفته فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الهوی فیضلک عن سبیل الله

"اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ لہٰذا تم لوگوں کے درمیان ٹھیک فیصلہ کیا کرو اور خواہشات (نفسانی) کی پیروی مت کرو جو تم کو اللہ کے راستے سے پھیر دے" (ص ۲۶)

زمین کی خلافت

یہ ہے انسان کے بارے میں اسلام کا بنیادی نظریہ کہ وہ اس کائنات کی سب سے زیادہ معزز اور باوقار ہستی ہے۔ اور اللہ نے اس دنیا میں اس کو خلیفہ بنا کر تمام اشیائے عالم کا علم عطا فرمایا ہے تاکہ وہ ہر ایک شے اور ہر ایک ہستی کے مقام اور مرتبے کو پہچانتے ہوئے ہر ایک سے اس کے مرتبے کے مطابق سلوک کرے اور اس خاکدان عالم سے ظلم و زیادتی یا اقوام عالم کی باہمی رقابتوں اور سرکشیوں کا استیصال کرتے ہوئی عدل الٰہی قائم کرے، تاکہ پوری انسانی دنیا امن و امان اور چین و سکون کا سانس لے سکے۔

قرآن مجید میں اقوام ماضیہ کی نافرمانی کے باعث ان کی ہلاکت اور بربادی کا تذکرہ بطور عبرت و بصیرت بار بار کرتے ہوئے نوع انسانی کو مختلف اسالیب میں متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ تخلیق انسانی کے منشاء و مقصد اور خلافت ارض کی بنیادی غرض و غایت کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور کسی بھی حال میں خدائی منشاء و مقصد سے غافل ہو کر من مانی نہ کرے۔ چنانچہ ایک موقع پر صاف صاف الفاظ میں بطور تہدید متنبہ کیا گیا ہے۔

ولقد اھلکنا القرون من قبلکم لما ظلموا وجاء تھم رسلھم بالبینت وما کانوا لیومنوا کذلک نجزی القوم المجرمین O ثم جعلنکم خلف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعلمون

اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی قوموں کو ان کے ظلم کی پاداش میں ہلاک کر دیا ہے۔ حالانکہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آ چکے تھے۔ مگر وہ (اپنے قلبی عناد کے باعث) ایمان لانے والے نہیں تھے۔ مجرم لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ پھر انکے بعد ہم نے تم کو زمین میں خلفیہ بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو" (یونس۔ ۱۳۔ ۱۴)

ٹیکنالوجی اسلام کی نظر میں

انسان اور خلافت کے قرآنی تصورات کی اس مختصر وضاحت کے بعد آیئے اب دیکھیں کہ اسلام صنعت و حرفت یا ٹیکنالوجی کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟ ٹیکنالوجی کا سیدھا سادہ مطلب ہے صنعت و حرفت یا فنون اور دستکاریوں کا علم' چنانچہ سائنس اور صنعت میں فرق یہ ہے کہ سائنس اشیائے عالم اور ان کی ساخت و پرداخت یا ان کی خصوصیات کے مجرد علم یا مجرد معلومات کا نام ہے اور صنعت یا ٹیکنالوجی ان معلومات کو برتتے ہوئے ان اشیاء سے علمی استفادہ کو کہا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر اشیائے عالم میں جو فوائد پوشیدہ ہیں ان سے عملاً" فائدہ اٹھانے کا نام صنعت و حرفت یا ٹیکنالوجی ہے۔

اس لحاظ سے یہاں پر اشیائے عالم سے استفادہ کے دو درجے قرار پاتے ہیں۔ پہلا درجہ اشیائے عالم کی صحیح معرفت ہے اور دوسرا درجہ اشیائے عالم کے فوائد سے استفادہ اور ان کی مضرتوں سے بچاؤ کا ہے۔ تو جہاں تک پہلے درجہ کا تعلق ہے اسلام نظریاتی اعتبار سے انسان کے لئے علم اشیاء کا حصول خلافت ارض کے نقطہ نظر سے ضروری تصور کرتا ہے' جیسا کہ واضح کیا جا چکا۔ بلکہ وہ نوع انسانی کو اس پر ابھارتا ہے کہ وہ کائنات سے متعلق ہر چیز کا تفصیلی علم حاصل کرے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی بے شمار آیات اس سلسلے میں دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً"

ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنھار لایت لاولی الالباب

"یقیناً" زمین اور آسمانوں کی تخلیق اور رات دن کے ہیر پھیر میں پختہ عقل والوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں" (آل عمران-۱۹۰)

اولم ینظروا فی ملکوت السموت والارض وما خلق اللہ من شی

کیا ان لوگوں نے زمین اور آسمانوں کی بادشاہت اور اللہ کی پیدا کردہ چیزوں میں غور نہیں کیا؟ (اعراف-۱۸۵)

اس قسم کی آیات اگرچہ بنیادی طور پر خدا پرستی کے اثبات میں اور الحاد و لادینیت کے خلاف وارد ہوئی ہیں، مگر ظاہر ہے کہ اس سے اولین طور پر مطالعہ فطرت کی ہمت افزائی اور علوم سائنس کی ترقی کا بھی اثبات ہوتا ہے۔ کیونکہ سائنس نام ہے اشیائے عالم کے منظم مطالعہ یا ان میں موجود طبیعی قوانین کو کھوجنے اور رازہائے فطرت کا پتہ لگانے کا۔

اب رہا دوسرا درجہ یعنی اشیائے عالم سے عملی استفادے کا، تو اس باب میں بھی بے شمار آیات کے ذریعہ نوع انسانی کو اس پر ابھارا گیا ہے۔ مثلاً"

الم تروا ان اللہ سخرلکم ما فی السموات وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاھرہ و باطنتہ

"کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے تمہارے لئے زمین اور اجرام سماوی کی تمام چیزوں کو مسخر کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں؟ (لقمان-۲۰)

اس آیت کی تفسیر میں ظاہری اور باطنی نعمتوں سے متعلق متعدد باتیں کہی گئی ہیں۔ مگر نسبتاً" سب سے بہتر تفسیر علامہ زمخشری نے کی ہے کہ "ظاہری سے مراد ہر وہ نعمت ہے جو مشاہدہ میں آ سکے۔ اور باطنی سے مراد وہ نعمت ہے جو کسی دلیل سے معلوم ہو سکے یا بالکل ہی معلوم نہ ہو سکے۔ اس لحاظ سے انسان کے بدن میں کتنی ہی ایسی (پوشیدہ) نعمتیں موجود ہیں جن کو انسان نہیں جانتا اور ان کی طرف راہ یاب نہیں ہوتا"

ظاہری اور باطنی نعمتوں کا یہ محض ایک جزوی پہلو ہے جو اپنی جگہ پر صحیح ہے۔ مگر کلی اعتبار سے اس کا صحیح مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ ظاہری نعمتوں سے مراد وہ نوازشات الہیہ ہیں جو آفرینش آدم سے

لے کر عصر حاضر تک برابر معلوم و متعارف چلی آ رہی ہیں۔ یعنی وہ لوازم حیات جن کے استعمال سے ہر دور کا انسان بخوبی واقف رہا ہے اور باطنی نعمتوں کی فہرست میں کل اشیائے عالم کے مخفی فوائد آ سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے باطنی نعمتوں سے مراد مادہ MATTER اور توانائی ENERGY کے وہ سارے پوشیدہ اسرار و حقائق اور ان میں ودیعت شدہ فوائد ہو سکتے ہیں جو علوم سائنس کی ترقی کی بدولت منکشف ہو سکے ہیں اور جن کو موجودہ دور کا انسان مسخر کر کے بخوبی فائدہ اٹھا رہا ہے۔ مثلاً" برق' بھاپ' جوہری توانائی Atomic Energy اور بے شمار قسم کے کیمیاوی مرکبات CHEMICAL COMPOUNDS جو مصنوعی غذاؤں' ادویہ' کھادوں اور دیگر بے شمار مصنوعات کی تیاری سے متعلق ہیں۔

یہ تمام نعمتیں روز اول ہی سے کائنات میں موجود اور مخفی تھیں' جن سے انسان علم اسماء (علم اشیاء) کی ترقی اور علم تسخیر (ٹیکنالوجی) کی ترقی کی بدولت صحیح فائدہ اب اٹھا رہا ہے۔ چنانچہ ایک دوسری جگہ ارشادی باری تعالیٰ ہے۔

و سخرلکم ما فی السموت وما فی الارض جمیعا منه - ان فی ذلک لایت لقوم یتفکرون

اور اس نے زمین اور اجرام سماوی کی تمام چیزیں تمہارے کام میں لگا دی ہیں۔ یقیناً" اس باب میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے (بہت سے) دلائل موجود ہیں۔ (جاثیہ - ۱۳)

تسخیر کے لغوی معنی ہیں کسی کو قابو میں رکھنا یا اس کو رام کرنا۔ امام راغب نے تصریح کی ہے کہ کسی چیز کو مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے جبرا" کام لیا جائے۔ اس اعتبار سے نقاش فطرت نے تمام موجودات عالم کو انسان کے خادم اور حاشیہ بردار کی حیثیت سے متعین کر رکھا ہے اور تمام مظاہر عالم اور ان کی ظاہری اور پوشیدہ قوتیں انسان کے خدمت گاروں کے روپ میں اپنے تسخیری فرائض انجام دینے کے لئے تیار کھڑی ہوئی ہیں۔ اب انسان کا کام اپنے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے یہ ہے کہ وہ اپنے عقل و دانش سے کام لے کر ان خدام سے اپنی تمدنی ضروریات اور انکے تقاضوں کو پورا کرے اور اپنے دور کے تمدنی مسائل و مشکلات کا حل تلاش کرے۔ اسی کا نام صنعت و

حرفت اور ٹیکنالوجی ہے۔ صحیفہ فطرت اور اس کے نظاموں میں حقیقتاً" کسی چیز کو کمی نہیں ہے جیسا
که ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
واتاکم من کل ما سالتموه اور اس نے تمہارے تمام (فطری و تمدنی) مطالبات پورے کر
دئے ہیں۔ (ابراہیم۔ ۳۴)

ان تصریحات سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اسلام صنعت و حرفت اور ترقی تمدن کا مخالف نہیں ہے بلکہ اس کو فروغ دینے والا ہے۔ واقعہ یہ ہے اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ تمام مذاہب عالم میں وہی ایک واحد مذہب ہے جس نے نہ صرف دین و مذہب اور تہذیب و تمدن کا صحیح رشتہ واضح کیا بلکہ اس کائنات گیتی میں سب سے پہلے نظری Theoretical اور عملی Practical دونوں سائنسوں کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی اور اہل اسلام کو "تسخیر کائنات" کی طرف متوجہ کیا۔ بطور مثال چند آیات ملاحظہ ہوں۔

الله الذی سخرلکم البحر لتجری الفلک بامره ولتبتغوا من فضله ولعلم تشکرون۔ و
سخرلکم ما فی السموت وما فی الارض جمیعا منه

"اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس میں کشتیاں اس کے حکم سے چل سکیں اور تاکہ تم اس کا فضل (روزی کے ذرائع) تلاش کر سکو۔ اور اس لئے کہ تم اللہ کے شکر گزار بن سکو۔ اور اس نے اجرام سماوی اور زمین کی ساری چیزیں۔ تمام کی تمام۔ تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں۔ (جاثیہ ۱۲۔ ۱۳)

تجرباتی سائنس کا داعی اول قرآن ہے

ان سے بڑھ کر صاف اور صریحی آیات اور کیا ہو سکتی ہیں اس قسم کی اور بھی آیات موجود ہیں۔ یہ انہی آیات کا کرشمہ تھا کہ قرون وسطیٰ میں اہل اسلام نے قدیم اقوام عالم مثلاً" یونانی، ہندوستانی، ایرانی، رومی اور مصری وغیرہ علوم و فنون کے باقی ماندہ علمی سرمائے کو اکٹھا کر کے ان کا عربی زبان میں ترجمہ کیا اور کتب خانے، یونیورسٹیاں اور تجرباتی معمل LABORATORIES قائم کر کے سائنسی علوم کو بے انتہاء ترقی دی اور جدید سائنس کی بنیاد ڈالی۔ اس موقع پر یہ تاریخی

حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ یونانی فکر و فلسفہ (جس سے مسلمانوں نے سب سے زیادہ استفادہ کیا) محض نظری اور قیاسی تھا۔ عملی و تجرباتی سائنس کا یونانیوں کے ہاں کوئی تصور نہیں تھا۔ اور بقول ایڈون اے برٹ یونانی ذہن تسخیر کائنات کے تصور سے قطعاً" ناآشنا تھا۔ اسی طرح یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ سولہویں صدی کے آخر تک یورپ بھی تجرباتی سائنس Practical Science سے بالکل ناواقف تھا۔ چنانچہ یورپ کو فلسفہ تجربیت سے پہلی بار روشناس کراتے ہوئے سائنٹفک طریق تحقیق کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح بیکن کی فکری تحریک کا آغاز سترھویں صدی سے ہوتا ہے۔ مگر اس کے برعکس اہل اسلام آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں یعنی بیکن سے سات آٹھ سو سال پہلے ہی تجرباتی سائنس کی بنیاد ڈال کر مختلف سائنسی علوم کی تدوین کر رہے تھے اور سائنسی تجربہ گاہیں اور رصد گاہیں قائم کر کے قرآن عظیم کی انقلابی تعلیم کے مطابق قدیم نظریات کو مشاہدے اور تجربے کی کسوٹی پر پرکھ رہے تھے اور آزادانہ طور پر نئے نئے نظریات قائم کر رہے تھے۔ اس طرح مسلمانوں نے اپنے دور میں انقلابی اقدامات کر کے ایک نئے اور سنہرے دور کا آغاز کیا اور ایک نئی تاریخ بنائی۔ واقعہ یہ ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ Renaissance اور موجودہ سائنس کی بنیاد اہل اسلام ہی کی تحقیق و تدوین اور ان کے بلند پایہ افکار ہی پر مبنی ہے، جیسا کہ پروفیسر حتی نے اپنی قابل قدر کتاب (ہسٹری آف دی عربس) میں اسی طرح دیگر فضلا نے بھی اپنی تحریروں میں اس حقیقت کا کھلے دل کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ حتی تحریر کرتا ہے

ترجمہ! (یعنی مسلم اسپین قرون وسطی میں یورپ کی ذہنی ارتقاء کی تاریخ بنانے میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ آٹھویں اور تیرہویں صدی کے درمیان، جیسا کہ ہم اس سے پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں، عربی بولنے والے ہی پوری دنیا میں تہذیب اور تمدن کے مشعل بردار رہے ہیں۔ مزید براں وہی قدیم سائنس اور فلسفے کی بازیافت کا بھی واسطہ بنے۔ پھر ان (علوم) میں اضافہ کر کے انہیں اس طور پر منتقل کیا کہ (انہی کے باعث) مغربی یورپ کی نشاۃ ثانیہ ممکن ہو سکی۔ اس پورے عمل میں عربی اسپین کا بہت نمایاں حصہ ہے۔

نیز مشہور امریکی سائنس داں جارج گیمو اپنی کتاب "بیوگرافی آف فزکس" میں تحریر کرتا ہے۔

ترجمہ! "یعنی عرب محققین نے یونانی کتابوں کو انکا مطالعہ اور ترجمہ کر کے انھیں جزوی طور پر تباہ شدہ ہیلینی کتب خانوں کے ذریعہ ضائع ہونے سے بچالیا۔ اور (اس طرح) انھوں نے سائنس کا پھریرا اس وقت بلند کیا جب کہ یورپ کا گلا روایتی اصول پرستی کے ہاتھوں گھونٹا جارہا تھا"

لہٰذا یہ کہنا بالکل صحیح ہو گا کہ تاریخی اعتبار سے قرآن عظیم ایک نئے فکری دور کا داعی اور علمبردار تھا، جس نے اپنے متبعین کو نئے نظریات سے آگاہ کر کے فکری دنیا کی کایا پلٹ دی اور جدید علم نیز جدید صنعتوں کی طرف توجہ مبذول کرا کے ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ قرآن حکیم کی حسب ذیل ایک اہم ترین آیت کریمہ پر غور فرمایئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ قرآن حکیم نے کس قدر روشن فکری اور فراخ دلی کے ساتھ نئے نئے علوم اور صنعتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔

ان فی خلق السموت والارض واختلاف الیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا و بث فیھا من کل دابہ و تصریف الریح والسحاب المسخر بین السماء والارض لایت لقوم یعقلون

زمین اور آسمانوں کی تخلیق میں، دن رات کے ہیر پھیر میں، اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں لوگوں کے لئے نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں، اس پانی میں جس کو اللہ نے بلندی سے اتارا اور اس کے ذریعہ زمین کو زندگی بخشی جب کہ وہ مردہ تھی پھر اس میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دئے اور ہواؤں کے ادل بدل میں اور اس بادل میں جو زمین اور آسمان کے درمیان مسخر رہتا ہے (غرض ان تمام مظاہر میں) عقل مندوں کے لئے یقیناً (بہت سی) نشانیاں موجود ہیں۔ (بقرہ: 124)

جیسا کہ شیخ طنطاوی جوہری نے لکھا ہے اس موقع پر بہت سے تمدنی فوائد کا بھی اثبات ہو رہا ہے۔ مثلاً "اس موقع پر اہل دانش کی سند ان لوگوں کو عطا کی جارہی ہے جو اجرام سماوی کی تخلیق میں غور کرتے ہیں، دن رات کے ہیر پھیر اور ان کے اسرار و عجائب معلوم کرتے ہیں، سمندری کشتیوں، جہازوں اور سامان تجارت کے فوائد پر نظر ڈالتے ہیں، بارش کے اسرار، نباتات کے مظاہر، چوپاؤں کی خلقت اور ان کی سرشت کا مطالعہ کرتے ہیں، ہواؤں کے ضوابط کا علم حاصل

کرتے ہیں' بارش اور بادلوں کے اسرار معلوم کرتے ہیں۔ غرض ان تمام چیزوں کی حقیقت و ماہیت اور ان کے اسرار و فوائد کے جاننے اور ان میں غور و فکر کرنے والوں کو اس موقع پر "صاحب عقل" یا "اہل دانش" قرار دیا گیا ہے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ فلکیات' بارش' ہوا' بادل' ندی نہریں' معدنیات اور دیگر طبیعی و صنعتی علوم کی تحصیل ضروری ہے۔ غور فرمائیے تو پتہ چلے گا کہ یہاں پر جن کشتیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ لوہا' کوئلہ اور بجلی کی محتاج ہیں۔ (اور یہ بات موجودہ دور کے نئے جہازوں پر زیادہ صادق آتی ہے اور جہاز سازی کے لئے ان تمام متعلقہ چیزوں کا علم اور ان کی جانکاری حاصل کرنا بھی ضروری ہے) غرض اس آیت کریمہ میں تمام اہم علوم کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

اسلام اور دیگر مذاہب

ان مباحث سے یہ حقیقت پوری طرح آشکارا ہو گئی کہ اسلام کی نظر میں مظاہر عالم اور ان کے منافع سے استفادہ کرنا بری بات یا کوئی ذلیل حرکت نہیں ہے' جیسا کہ دیگر مذاہب میں سمجھا گیا ہے کیونکہ یہ دنیا اور اس کی تمام چیزیں انسان ہی کے لئے تخلیق کی گئی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ انسان خدائی ضوابط اور شرعی حدود کے اندر رہ کر ان تمام چیزوں سے فائدہ اٹھائے اور گیسوئے انسانیت سنوارے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام دین و دنیا دونوں کی آمیزش کا ایک کامیاب سنگم اور ان دونوں کے ملاپ کا ایک حسین گلدستہ ہے' جس کا کوئی ادنیٰ سا تصور بھی ہمیں دیگر ادیان میں نہیں ملتا۔ وہ یہودیوں کی طرح صرف دنیوی آسائشوں ہی کو اصل قرار نہیں دیتا اور نہ مسیحیت اور ہندی ادیان کی طرح ترک دنیا پر زور دیتا ہے۔ بلکہ وہ دنیوی آسائشوں کو دین و اخلاق کے تحفظ اور آخرت کی کامیابی کا بھی ذریعہ سمجھتا ہے۔ جیسا کہ ربنا اتنا فی الدنیا حسنہ و فی الاخرۃ حسنتہ (اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی سے نواز) میں آسائش دنیا کو آسائش آخرت پر مقدم رکھنے کا فلسفہ ظاہر کرتا ہے۔

فضائل حج

(محمد یوسف اصلاحی)

حج اسلام کا پانچواں اہم رکن ہے۔ حج کا ایک ایمان افروز تاریخی پس منظر ہے' جس کو نگاہ میں رکھے بغیر حج کی عظمت و حکمت اور اصل مقصود کو سمجھنا ممکن نہیں' کفر و شرک کے طاقتور ماحول میں گھرے ہوئے ایک بندہ مومن نے توحید خالص کا اعلان کیا اور باطل کی چھائی ہوئی ظالم طاقتوں اور گوناگوں رکاوٹوں کے باوجود' ایمان و تقویٰ' خلوص و للہیت' عشق و محبت' جاں نثاری اور فداکاری' ایثار و قربانی' بے آمیز اطاعت اور کامل سپردگی کے بے مثال جذبات و اعمال سے اسلام کی مکمل تاریخ تیار کی اور توحید و اخلاص کا ایک ایسا مرکز تعمیر کیا کہ رہتی زندگی تک انسانیت کو اس سے توحید کا پیغام ملتا رہے۔

اسی تاریخ کو تازہ کرنے اور انہی جذبات سے دلوں کو گرمانے کے لئے ہر سال دور دراز سے توحید کے پروانے اس مرکز پر جمع ہو کر وہی کچھ کرتے ہیں جو اُن کے پیشوا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا' دو کپڑوں میں ملبوس کبھی بیت اللہ کا والہانہ طواف کرتے ہیں' کبھی صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر دوڑتے نظر آتے ہیں' کبھی عرفات میں کھڑے اپنے خدا سے مناجات کرتے ہیں۔ کبھی قربان گاہ میں جانوروں کے گلے پر چھری پھیر کر اپنے خدا سے عہد محبت استوار کرتے ہیں اور اٹھتے بیٹھتے' صبح و شام ایک ہی صدا سے حرم کی پوری فضا گونجتی ہے۔

"اے اللہ تیرے دربار میں تیرے غلام حاضر ہیں' تعریف و حمد تیرا ہی حق ہے' احسان کرنا تیرا ہی کام ہے' تیرے اقتدار میں کوئی دوسرا شریک نہیں"

دراصل انہی کیفیات کو پیدا کرنے اور پورے طور پر خود کو اللہ کے حوالے کرنے ہی کا نام حج ہے۔

حج کے معنی

حج کے لغوی معنی ہیں زیارت کا ارادہ کرنا اور شریعت کی اصطلاح میں حج سے مراد وہ جامع عبادت ہے جس میں مسلمان بیت اللہ پہنچ کر کچھ مخصوص اعمال اور عبادات کرتا ہے چونکہ حج میں مسلمان بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کرتا ہے اس لیے اس کو حج کہتے ہیں۔

حج ایک جامع عبادت

اسلامی عبادات دو طرح کی ہیں' ایک بدنی عبادات جیسے نماز' روزہ اور ایک مالی عبادات جیسے صدقہ و

زکوۃ وغیرہ۔ حج کا امتیاز یہ ہے۔ کہ وہ مالی عبادت بھی ہے اور بدنی عبادت بھی۔ دوسری مستقل عبادات سے، خلوص و تقویٰ، عجز و احتیاج، بندگی اور اطاعت، قربانی اور ایثار، فدائیت اور سپردگی، انابت اور عبدیت کے جو جذبات الگ الگ نشوونما پاتے ہیں، حج کی جامعیت یہ ہے کہ اس میں بیک قت یہ سارے جذبات اور کیفیات پیدا ہوتی اور پروان چڑھتی ہیں۔

نماز جو دین کا سرچشمہ ہے اس کی اقامت کے لئے روئے زمین پر جو سب سے پہلی مسجد تعمیر ہوئی، حج میں مومن اسی مسجد کے گرد والہانہ طواف کرتا ہے، اور عمر بھر دور دراز سے جس گھر کی طرف رخ کر کے مومن نماز پڑھتا رہا ہے، حج میں مومن کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے کہ وہ عین اس مسجد میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرتا ہے۔

روزہ جو نفس و اخلاق کے تزکیہ کا موثر اور لازمی ذریعہ ہے اور جس میں مومن مرغوبات نفس سے دور رہ کر صبر کی قوتوں کو پروان چڑھاتا ہے اور خدا کا سپاہی اور مجاہد بننے کی مشق بہم پہنچاتا ہے، حج میں احرام باندھنے کے وقت سے لے کر احرام کھولنے کے وقت تک اسی مجاہدے میں شب و روز بسر کرتا ہے اور قلب و روح سے ایک ایک نقش کھرچ کر صرف خدا کی محبت کا نقش بٹھاتا ہے اور شب و روز توحید کی صدا لگا کر صرف توحید کا علمبردار بنتا ہے۔

صدقہ و زکوۃ میں اپنا دل پسند مال دے کر بندہ مومن اپنے دل سے زر پرستی کے رکیک جذبات دھوتا اور خدا کی محبت کے بیج بوتا ہے، حج میں بھی آدمی عمر بھر کا جمع کیا ہوا مال محض خدا کی محبت میں دل کھول کر خرچ کرتا ہے اور اس کی راہ میں قربانی کر کے اس سے عہد وفا استوار کرتا ہے، غرض یہ کہ حج کے ذریعے سے والہانہ تعلق، نفس و اخلاق کا تزکیہ اور روحانی ارتقا کے سارے مقاصد بیک وقت حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ حج واقعی حج ہو، محض ارکان حج ادا کرنے کا عمل نہ ہو۔

حج کی حقیقت

حج کی حقیقت دراصل یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کامل طور پر اپنے رب کے حوالے کر دے اور مسلم حنیف بن جائے۔ حج کی سعادت درحقیقت خدا کی طرف سے اس بات کی توفیق ہے، کہ اصلاح حال کی تمام مستند کوششوں کے باوجود بندے کی زندگی میں جو بھی کھوٹ اور نقص رہ جائے وہ ارکان حج اور مقامات حج کی برکت سے دور ہو جائے اور وہ حج سے ایسا پاک صاف ہو کر لوٹے کہ گویا اس نے آج ہی جنم لیا ہے، ساتھ ہی حج حقیقت حال کی ایک کسوٹی بھی ہے، کہ کسی نے خدا کی اس توفیق سے واقعی فائدہ اٹھایا ہے اور کون موقع پانے کے باوجود محروم رہ گیا ہے، حج کے بعد کی زندگی اور اس کی سرگرمیاں واضح کر دیتی

ہیں کہ کس کا حج واقعی حج ہے اور کون حج کے سارے ارکان ادا کرنے اور بیت اللہ کی زیارت کرنے کے باوجود حج کی سعادت سے محروم رہ گیا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حج کی توفیق پانے کے باوجود جو شخص اصلاح حال سے محروم رہ جائے' اس کے بارے میں بہت ہی کم توقع رہ جاتی ہے کہ کسی اور تدبیر سے اس کی اصلاح حال ہو سکے گی۔ اس لئے حج کا فریضہ ادا کرنے والے لئے انتہائی ضروری ہے کہ وہ اپنے جذبات و احساسات اور ارادوں کا اچھی طرح جائزہ لے اور حج کے ایک ایک رکن اور عمل کو پورے اخلاص اور شعور کے ساتھ ادا کر کے حج سے وہ کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرے جس کے لئے حج فرض کیا گیا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جو بیت اللہ سے واپس آیا تھا لیکن اس کی زندگی پر حج کی چھاپ نہیں پڑھ سکی تھی' آپ نے اس سے دریافت فرمایا۔ "تم کہاں سے آ رہے ہو؟"

"حضرت حج بیت اللہ سے واپس آ رہا ہوں" مسافر نے جواب دیا۔

کیا تم حج کر چکے ہو؟ حضرت نے حیرت سے دریافت کیا۔

"جی ہاں میں حج کر چکا ہوں" مسافر نے جواب دیا۔

حضرت نے پوچھا "جب تم حج کے ارادے سے گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے اس وقت تم نے گناہوں سے بھی کنارہ کر لیا تھا یا نہیں؟

"حضرت میں نے اس طرح تو نہیں سوچا تھا" مسافر نے جواب دیا۔

"تو پھر تم حج کے لئے نکلے ہی نہیں" پھر دریافت فرمایا۔ اس مبارک سفر میں تم نے جو جو منزلیں طے کیں اور جہاں جہاں راتوں کو مقام کیے تو کیا تم نے اس دوران قرب الٰہی کی منزلیں بھی طے کیں اور راہ کے مقامات بھی طے کیے؟

"حضرت۔ اس کا تو مجھے دھیان بھی نہ تھا" مسافر نے سادگی سے جواب دیا۔

"تو پھر تو نے نہ بیت اللہ کی سفر کیا اور نہ اس کی طرف کوئی منزل طے کی" پھر دریافت فرمایا "جب تم نے احرام باندھا اور اپنے روزمرہ کے کپڑے اتارے' تو کیا تم نے اس کے ساتھ ہی اپنی بری عادتوں اور خصلتوں کو بھی اپنی زندگی سے اتار پھینکا تھا؟

"حضرت اس طرح تو میں نے غور نہیں کیا تھا" مسافر نے صاف جواب دیا۔

"پھر تم نے احرام بھی کہاں باندھا" حضرت نے پرسوز لہجے میں فرمایا۔ پھر پوچھا جب تم میدان عرفات میں کھڑے ہوئے تو تمہیں مشاہدے کا کشف بھی حاصل ہوا یا نہیں؟

"حضرت میں سمجھا نہیں کیا مطلب؟" مسافر نے کہا۔
"مطلب یہ ہے کہ تم نے میدان عرفات میں خدا سے مناجات کرتے وقت اپنے اندر یہ کیفیت بھی محسوس کی کہ گویا تمہارا رب تمہارے سامنے ہے اور تم اسے دیکھ رہے ہو؟
"حضرت یہ کیفیت تو نہیں تھی" مسافر نے وضاحت کی۔
"پھر تو گویا تم عرفات میں پہنچے ہی نہیں" حضرت نے پرجوش لہجے میں کہا اور پھر دریافت فرمایا "اچھا یہ بتاؤ جب تم مزدلفہ میں پہنچے تو وہاں تم نے اپنی نفسانی خواہشات کو بھی چھوڑا یا نہیں؟
"حضرت میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی" مسافر نے جواب دیا۔
"تو پھر مزدلفے بھی نہیں گئے" حضرت نے فرمایا۔ اس کے بعد پوچھا۔ "اچھا یہ بتاؤ جب تم نے بیت اللہ کا طواف کیا تو اس دوران تم نے جمال الٰہی کے جلوے اور کرشمے بھی دیکھے؟"
"حضرت اس سے تو میں محروم رہا" مسافر نے کہا۔
"تو پھر تم نے طواف کیا ہی نہیں؟" اور پھر دریافت فرمایا "جب تم نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی تو کیا اس وقت تم نے صفا اور مروہ اور ان کے درمیان سعی کی حکمت و حقیقت اور اس کے مقصود کو بھی پایا؟"

"حضرت اس کا تو مجھے شعور نہیں"۔ مسافر نے کہا
تو پھر تم نے ابھی سعی نہیں کی ہے' پھر دریافت فرمایا جب تم نے قربان گاہ پہنچ کر قربانی کے جانور کو قربان کیا' اس وقت تم نے اپنے نفس اور اس کی خواہشات کو بھی راہ خدا میں قربان کیا یا نہیں؟"
"حضرت اس طرف تو میرا دھیان نہیں گیا" مسافر نے کہا
"تو پھر تم نے قربانی بھی کہاں کی" اس کے بعد حضرت جنیدؒ نے پوچھا "اچھا یہ کہو جب تم نے جمرات پر سنگریزے پھینکے تو اس وقت تم نے اپنے برے ہم نشین اور برے ساتھیوں اور بری خواہشات کو بھی اپنے سے دور پھینکا یا نہیں؟"
"حضرت ایسا تو نہیں کیا" مسافر نے سادگی سے جواب دیا۔
"تو پھر تم نے رمی بھی نہیں کی" حضرت نے افسوس کے ساتھ کہا اور فرمایا جاؤ واپس جاؤ اور ان کیفیات کے ساتھ ایک بار پھر حج کرو۔ تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نسبت پیدا کر سکو' جن کے ایمان و وفا کا اعتراف کرتے ہوئے قرآن نے شہادت دی ہے۔
وابراہیم الذی وفی (النجم۔۳۷)

"اور وہ ابراہیم علیہ السلام جس نے (اپنے رب سے) وفاداری کا حق ادا کر دیا"

حج کی عظمت و اہمیت

قرآن و سنت میں حج کی حکمت، دین میں حج کا مقام اور اس کی عظمت و اہمیت پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا ـ ومن كفر فان الله غنى عن العالمين O

"لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم سے انکار و کفر کی روش اختیار کرے تو وہ جان لے کہ خدا جہاں والوں سے بے نیاز ہے"

اس آیت میں دو حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے۔

1۔ حج بندوں پر خدا کا حق ہے، جو لوگ بھی بیت اللہ تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر فرض ہے کہ وہ خدا کا یہ حق ادا کریں۔ جو لوگ استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے وہ ظالم خدا کا حق مارتے ہیں، آیت کے اسی فقرے سے حج کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی طرف سے حج کی فرضیت کا اعلان اسی وقت ہوا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی۔ اور صحیح مسلم میں اسی مفہوم کی ایک روایت ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا۔

"اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، پس حج ادا کرو"

2۔ دوسری اہم حقیقت جس کی طرف یہ آیت متوجہ کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا کافرانہ روش ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ومن کفر جس طرح قرآن میں ترک صلوۃ کو ایک مقام پر مشرکانہ عمل قرار دیا گیا ہے اسی طرح اس فقرے میں ترک حج کو کافرانہ رویہ قرار دیا گیا ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔

"جس شخص کے پاس حج کا ضروری سامان موجود ہو اور سواری مہیا ہو جو اسکو خانہ خدا تک پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے، تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر اور یہ اس لیے کہ خدا کا ارشاد ہے۔

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا (آل عمران)

راوی کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو یہود و نصاریٰ کے مانند قرار دیا ہے تو یہ ایک ایسی مسلم حقیقت ہے کہ خود قرآن میں بھی ایسے لوگوں کو یہی وعید

سنائی گئی بطور حوالہ راوی نے آیت کا صرف ابتدائی حصہ پڑھا ورنہ جس وعید کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے وہ آیت کے اس فقرے میں ہے:

ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین (آل عمران۔۹۷)

"اور جو لوگ استطاعت کے باوجود کفر و انکار کی روش اختیار کریں وہ جان لیں کہ خدا کو سارے جہان کی پروا نہیں"

یعنی ترک حج کی کافرانہ روش اختیار کرنے والوں سے خدا بے نیاز ہے، اس کو ہرگز ایسے لوگوں کی پروا نہیں کہ وہ کس حال میں مرتے ہیں۔ یہ تنبیہ اور تہدید کا سخت ترین انداز ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ بے زاری اور بے نیازی کا اظہار فرمائے وہ ایمان و ہدایت سے کیونکر بہرہ مند ہو سکتا ہے۔

حضرت حسن کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ میرا پختہ ارادہ ہے کہ میں ان شہروں میں (جو اسلامی حکومت میں شامل ہو چکے ہیں) کچھ لوگوں کو روانہ کروں جو جائزہ لے کر دیکھیں کہ کون لوگ حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود نہیں کر رہے ہیں پھر ان پر جزیہ مقرر کر دوں، یہ لوگ مسلم نہیں ہیں، یہ لوگ مسلم نہیں ہیں۔

مسلم اس شخص کو کہتے ہیں جو کامل طور پر خود کو اللہ کے حوالے کر دے اور حج کی حقیقت بھی یہی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بالکلیہ خدا کے حوالے کر دے، پھر اگر یہ لوگ مسلم ہوتے تو حج کی سعادت سے کیوں محروم رہتے، اور استطاعت کے باوجود حج سے غفلت کیوں کر برتتے۔

حج کی فضیلت و ترغیب

حج کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے طرح طرح سے اس کی ترغیب دی ہے اور اس کی غیر معمولی فضیلت کو مختلف انداز سے واضح فرما کر اس کا شوق دلایا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

(۱) "جو شخص بیت اللہ کی زیارت کے لئے آیا، پھر اس نے نہ تو کوئی فحش شہوانی عمل کیا اور نہ خدا کی نافرمانی کا کوئی کام کیا، تو وہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو کر لوٹے گا جیسا پاک صاف وہ اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا"

اور ارشاد فرمایا۔

(۲) حج اور عمرہ پے بہ پے کرتے رہا کرو، کیونکہ حج اور عمرہ دونوں ہی فقر و احتیاج اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی، لوہے اور سونے چاندی کے میل کچیل کو صاف کر کے دور کر دیتی ہے اور "حج مبرور" کا اجر و صلہ تو بس جنت ہی ہے"

"حج مبرور" سے مراد وہ حج ہے جو پورے اخلاص و شعور اور آداب و شرائط کے ساتھ ادا کیا گیا ہو اور جس میں حج کرنے والے نے خدا کی نافرمانی سے بچنے کا پورا پورا اہتمام کیا ہو' نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

(۳) جب کسی زائر حرم سے تمہاری ملاقات ہو تو اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر میں پہنچے اس کو سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو اور اس سے درخواست کرو کہ وہ تمہارے لئے خدا سے مغفرت کی دعا کرے اس لیے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔

(۴) حضرت حسینؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا حضور ﷺ میرا جسم بھی کمزور ہے اور میرا دل بھی" ارشاد فرمایا "تم ایسا جہاد کیا کرو' جس میں کانٹا بھی نہ لگے" سائل نے کہا "حضور ﷺ ایسا جہاد کونسا ہے جس میں کسی تکلیف اور گزند کا اندیشہ نہ ہو"۔ ارشاد فرمایا "تم حج کیا کرو"

(۵) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص میدان عرفات میں حضور ﷺ کے بالکل قریب ہی اپنی سواری پر تھا' کہ یکایک سواری سے نیچے گرا اور انتقال کر گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اس کو غسل دے کر احرام ہی میں دفن کر دو' یہ قیامت کے روز تلبیہ پڑھتا ہوا اٹھے گا۔ اس کا سر اور چہرہ کھلا رہنے دو۔

(۶) حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا" اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام نے خدا سے التجا کی کہ پروردگار جو بندے تیرے گھر کی زیارت کرنے آئیں ان کو کیا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اے داؤد۔ وہ میرے مہمان ہیں۔ ان کا یہ حق ہے کہ میں دنیا میں ان کی خطائیں معاف کر دوں اور جب وہ مجھ سے ملاقات کریں تو میں ان کو بخش دوں۔

(ماخوذ از آسان فقہ)

اطلاع

ملتان کے بھائی عطاء اللہ شاہ اور امین شاہ صاحب کے بھائی شہاب الدین شاہ بخاری وفات پا گئے ہیں۔ تمام بھائیوں سے گذارش ہے کہ مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کریں۔

FALAH-E-ADMIAT

Registred

CPL No. 491

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

الله

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل

بانی سلسلہ کی تصانیف

"چراغ راہ" خواجہ عبدالحکیم انصاری "سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر مریدین کی تربیت اور راہنمائی کے لئے جو خطبات ارشاد فرماتے رہے یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے اس میں نئے سلسلہ کے قیام کے اغراض و مقاصد تفصیل سے درج کرنے کے علاوہ راہ سلوک کے پیچ و خم، نشیب و فراز اس میں پیش آنے والی رکاوٹیں اور پیدا ہو جانے والی غلط فہمیاں بیان کر دی گئیں ہیں اور صدیوں سے حل طلب روحانی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ایسے ایسے نادر نکات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ گیارہ خطبات ملت اسلامیہ کے لئے درس حیات اور سالکین کے لئے منارہ ہائے نور کی حیثیت رکھتے ہیں وہ خصوصی مسائل.

جن پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ ہیں۔

☆ سلوک و تصوف میں اپنے ذاتی تجربوں اور تحقیق کا بیان۔

☆ مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور میں کیسے کیسے فقیر ملے اور مرشد سے ملاقات کا حال۔

☆ ہمارے زوال میں امرا علماء اور صوفیاء نے کیا کردار ادا کیا؟

☆ علماء ظاہر اور اہل روحانیت صوفیاء کے اصلاح کے طریقوں میں کیا فرق ہے۔

☆ قوم میں تصوف خفتہ اور تصوف بیدار کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟

☆ تصوف کی اہمیت اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات۔

☆ عقل صمیم، عقل سلیم اور قلب سلیم کیا ہیں اور ان سے ہمیں کیا ملتا ہے۔

☆ یوگا، ہپناٹزم اور مسمریزم کی حقیقت اور انکے مقابلہ میں اسلامی روحانیت کی برتری اور فضیلت

☆ کرامات کی طاقت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کشف کیونکہ ہوتا ہے؟

☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی؟